

UNIVERSAL  
LIBRARY

**OU\_226644**

UNIVERSAL  
LIBRARY

TIGHT BINDING BOOK

**OSMANIA UNIVERSITY LIBRARY**

Call No.

۱۷۰

Accession No.

۱۷۲۵۱

Author

م ت

ملک راو و نعل راو

Title

۵ تفریح العمات

This book should be returned on or before the date last marked below.

---



# تفہیم الحیات

اس میں اخلاقی فلسفیانہ مضامین سے اس طرز سے بحث کی گئی ہے کہ  
جس طرز سے سر جان لباک نے پشیرس آف لایف میں بحث کی ہے

از

نانک راؤ وٹھیل راؤ

حیدر آباد دکن ۱۳۱۳ھ

بنو مطبع اعجاز محمدی آگرہ

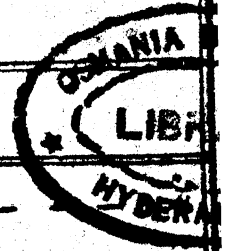
۱۸۹۶ء

کل حقوق محفوظ ہیں

# فہرست مضامین

## مضمون

## نمبر صفحہ



۱

۲

۱

۱۵

۳۲

۳۳

۵۳

۶۲

۷۱

۸۱

۸۸

۹۸

۱۰۵

۱۰۸

دیباجہ

خوشی اور مسرت

فرض منصبی ادا کرنے کی مسرت

کتابوں کی فائدہ و منزلت

کتابوں کا انتخاب

عمدہ دوستوں کی صحبت

وقت کی فائدہ و منزلت

سفر کی خوبیاں

وطن کی خوبیاں

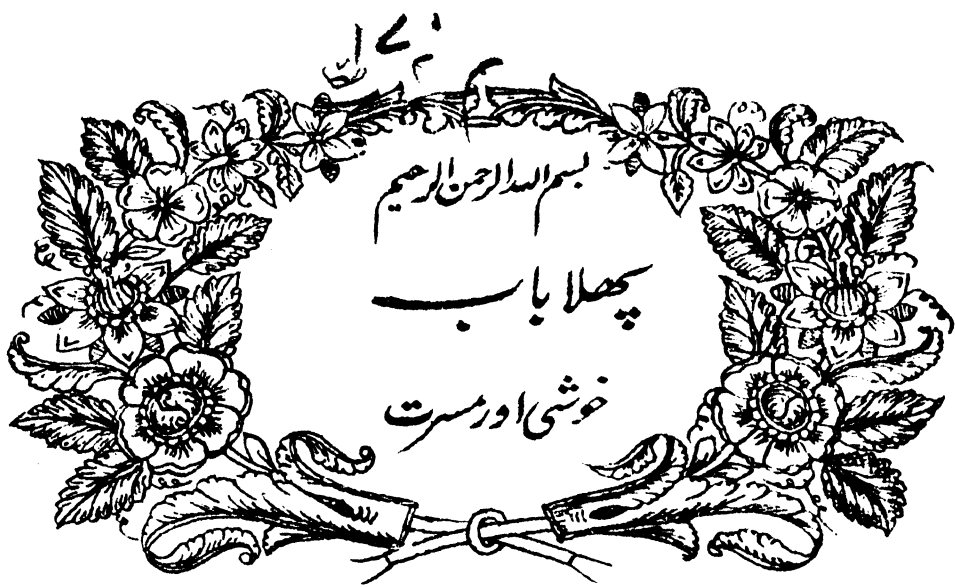
علوم حکمت

تعلیم

سرجان لباک ایف آر بی ممبر پارلیمنٹ و مصنف پیشہ رس

آفت لائف کے حالات زندگی

ضمیمہ مشترک سوانح عمری



خداوند تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اس نے انسان کو اس طرح پر پیدا کیا ہے کہ جب وہ سن تیز کو پہنچتا ہے اور ہوش سنبھالتا ہے تو اس کو اس وقت سے پہلے اپنی عبودیت اور مخلوقیت کا سبب تلاش کرنے کی فکر پڑ جاتی ہے۔ اس لئے ہر انسان کو لازم ہے کہ عام سوسائٹی کی جہالت تک بہبودی ٹکٹ نہ ہو کرے۔ اس میں شک نہیں کہ موجودہ زمانہ کے لوگ ہی اپنے بہائیوں کو آرام پہنچانا اپنے اوپر فرض سمجھتے ہیں۔ مگر خاص اپنے ہی آرام کی کوشش کرنے یا نہ کرنے کی نسبت اب بھی اکثر لوگوں کی کوشش و پینج ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو خاص اپنے ہی آرام کی لئے سعی کرنا ٹھیک نہیں ہے۔ کیونکہ اس قسم کی کوشش سے جب اپنی ذات ہی کو آرام نہیں ملتا تو پھر اور تو اور ہی ہیں۔ اس دنیا میں گو بہت کچھ آرام و آسائش کے سامان موجود ہیں مگر جب ہم خود ہی اس کو اختیار نہ کریں اور اپنے آپ ہی اس کے بس میں ہو جائیں تو وہ آرام نہیں بلکہ مصیبت ہے۔

سینکا کا قول ہے کہ آرام و مصیبت دونوں کی دونوں بیوفا اور ناپائدار چیزیں ہیں اور جب ایک بار انسان اونکے اختیار میں آجاتا ہے تو پہرے اختیاری کی کچھ حد باقی نہیں رہتی۔ گو یہ دونوں اپنے طور پر رفتہ رفتہ عمل کیجاتی ہیں مگر ہم کہتے ہیں کہ پھر بھی بطور خود آرام کے لئے کوشش کرنا فرض ہے اور انسان کے لئے اپنی فرض ادا کرنے میں اپنا ہی آرام تصور ہوتا ہے۔ اگر یہ باتیں ہمواد دل ہی سے سمجھا دی جائیں تو زندگی بہت آرام اور آسائش سے گزر سکتی ہے۔ اپنی نیک مزاجی اور خوش خلقی سے دوسروں کے آرام میں بہت کچھ مدد ملتی ہے اس لئے جہاں تک ممکن ہو انسان کو نیک مزاجی اور خوش خلقی اختیار کرنی چاہئے۔ تم نے دیکھا ہے کہ نیک مزاج اور خوش خلق دوستوں کی صحبت سے کس قدر آرام حاصل ہوتا ہے۔ اس کا سب کو تجربہ ہے۔ گویا بہشت کا آرام اور دوزخ کی مصیبت قبول کرنی اپنے اختیار میں ہے۔

بعض لوگوں کو اسی میں کچھ آرام ملتا ہے کہ اپنی قسمت بڑی سمجھ لی یا مصیبتوں کا خیالی رنج اٹھالیا۔ اور اکثر کو اپنی طبیعت خوش رکھنے میں بڑی دقتیں اٹھانی پڑتی ہیں۔ جاننا چاہئے کہ اسباب خوشی مثل کلون کے ہیں۔ اپنے تئیں ان کلون کا ضلع سمجھ کر ہموان کلون سے خوشی حاصل کر نیکی لئے خود اپنی پوری پوری کاریگری صرف کرنی چاہئے۔ اور نیز ہمواد اپنی عادتوں کو عمدہ طریقوں پر لانے کے لئے بھی کوشش کرنی ضرور ہے۔ کسی نے سچ کہا ہے کہ۔

”دنیا میں آرام اور مصیبت ایک طرفہ معجون ہے“

جب اس حقیقت کو سچ مان لیا جائے کہ یہ زندگی مصیبت آلود ہے تو اس حالت میں حس و حرکت اور عقل زائل ہو جاتی ہے اور پہرے اسکے ساتھ ہی رنج کا بھی خاتمہ ہر اس لئے لوگ اگر اسکو سچ اور حق بجانب مان لیں تو کچھ تعجب نہیں۔ مگر ایسے بزرگوں کی نصیحت پر کار بند ہونے میں اس دنیا میں سوائے مصیبت کے انسان کو اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا بجائے ان نصیحتوں کے اگر ایسی نصیحتوں پر عمل کیا جائے کہ جتنے مسرت اور بزرگی حاصل ہو تو بہت بہتر ہے۔

یہ جو بعض لوگ کسی نہ کسی طرح اپنی بسر اوقات کرنے کو اپنی زندگی کا بہتر نتیجہ سمجھتے ہیں یہ ٹھیک نہیں ہے بلکہ زندگی کی غایت اور نشانیہ ہے کہ وہ عمدہ کاموں میں صرفہ کیا جائے۔ کوئی نہیں جانتا کہ ہلکواپنی زندگی میں کیا کیا کام کرنے ہیں۔ جیسا کہ بڑی ندی میں اگر پھول بایا جاتا ہے تو اسکی نسبت یہ حکم نہیں لگایا جاسکتا کہ کس مقام پر ٹھیکہ گا۔ اور کس مقام پر نہیں۔ بہت سے لوگ اپنی زندگی کو بڑی بے احتیاطی سے بسر کرتے ہیں اور اوسمیں اونکو بڑی بڑی دقتیں پیش آتی ہیں۔ ہومر کا مقولہ ہے کہ ”اس خیال سے کہ جس طرح بھی ممکن ہو زندگی گزار دینی چاہئے۔ جس طرح حرکت لنگڑے لوہے کی طرح پڑا رہنا اور صرف ضرورت کی وقت فطرت کی طرح روشن ہونا اور تقدیر کو تدبیر سے یا ور نہ ہونے دینا انسان کے لئے اس سے بدتر اور ذلیل کوئی حالت نہیں ہو سکتی“ بزرگوں نے کہا ہے کہ بزرگی عقل سے ہے نہ عمر سے۔ چوٹی عمر ہی کیون نہ ہو مگر اوس زمانہ میں جو شخص نیک خیالات سوچتا ہے یا بڑی ناموری کے کام کرتا ہے۔ البتہ اسکی بزرگی قابل اعتبار

ہوتی ہے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو ایسے ہی لوگوں کی زندگی ہے اور باقی ہیچ۔  
 سچ فرمایا ہے سعدی شیرازی علیہ الرحمہ نے۔ ”بزرگی بعقل است نہ بسال“

اگر اپنی حیثیت کے موافق کوشش کریں اور چھوٹے چھوٹے اسباب کو زیادہ بہاری  
 نہ بنائیں اور قدرت پر نظر رکھ کر قدرت کے کاموں کو نظر غور سے دیکھیں اور اپنی اختیار  
 میں جو آرام کے سامان ہیں انہیں اختیار کریں تو اس وقت خوب موم ہو گا کہ زندگی اور  
 دنیا خدا کی کیسی بے بہا نعمت ہے اور یہ وسیع دنیا ہماری اطاعت میں کیسی سرگرم ہے۔  
 مگر اکثر لوگوں کو خدا کی بے انتہا عنایت اور اس کی قدرت کا کچھ ہی خیال نہیں ہوتا اگر خدا  
 چاہتا ہے تو وہ وسیع دنیا پر انسان کو اختیار کامل دے سکتا ہے اس کی قدرت کا ملہ اور  
 عطا کا انحصار نہیں ہو سکتا۔ بقول شخصے ”کرنی کرے تو زکا نار این ہوئے“۔ پھر جب  
 انسان باوجود قدرت اور طاقت رکھنے کے بھی اس سے بے خبر ہے اور کچھ نہ کرے تو  
 اس کی نہایت قسمتی ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ جو انسان اپنی کاہلی کی وجہ سے اپنے اختیاری  
 راحت و آرام سے بہرہ یاب نہ ہو تو وہ بہت ہی بڑا بد نصیب ہے۔

رسکین کا قول ہے کہ ”لوگ اللہ تعالیٰ کی قدرتی تجلی اور خوبصورتی کو باوجود اسکے کہ روز  
 مشاہدہ کرتے ہیں لیکن اس کی قدر و عظمت جیسی کہ چاہئے ویسی نہیں کرتے۔ اگر کبھی اون کا  
 خیال ادھر منتقل ہی ہوتا ہے تو انسانی خیال کی رسائی وہاں تک مشکل سے ہوتی ہے۔  
 خدا کے نیک اور بزرگ بندے جو خدا کی شان میں بڑا رحیم اور منصف کا لفظ استعمال کرتے  
 ہیں نہایت صحیح ہے مگر جس ذریعہ سے اس کی محبت فوراً ظور پذیر ہوتی ہے اس کا بیان

وہ بھی صاف صاف نہیں کرتے۔ بالکل ناچیز جانوروں کے مانند وہ ہم لوگوں کو بھی شکم پرپی کے لئے غذا تن پوشی کے لئے لباس اور جسم کے لئے صحت عطا فرماتا ہے۔ مگر اسکی قدرت کی قدر و منزلت انسان کے سوا کوئی دوسری مخلوق نہیں سمجھ سکتی۔ لیکن انسان اپنی زبان سے کبھی خدا کا شکر یہ ادا نہیں کرتا۔ اور اگر کبھی کرتا بھی ہے تو حالت وجد میں نہ کہ کھلے اور وسیع میدانوں میں عجائبات قدرت کا تماشا دیکھ کر۔ اکثر بزرگ اور ناصح لوگ انسان کو اپنا دل اپنے قابو میں رکھنے کی بھی نصیحت کرتے ہیں۔ مگر کبھی یہ نہیں ارشاد کرتے کہ آرام سے زندگی بسر کرنا بھی انسان کا فرض ہے۔ اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو بزرگوں کو بھی ایسی ہی نصیحت کرنی چاہئے۔ کیونکہ خداوند تعالیٰ نے دنیا کو کچھ سطح پر ترتیب دیا ہے کہ اس میں لایق لوگوں کو آرام ملکر ہی رہتا ہے جب لایق لوگ خود ہی اپنے آرام و آسائش سے بیخبر رہیں تو وہ دوسروں کو کیونکر آرام پہنچا سکتے ہیں جب انسان خود ہی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا ہے تو اس سے دوسری کی دستگیری کسی طرح متصور نہیں ہوتی۔ رکن کا قول ہے کہ ”جنگل میں پرندے گاتے ہیں اور ہوا فرائے بہرتی ہے اور پانی بہتا ہے۔ اگر انسان نظر معرفت سے دیکھے گا تو ان سب کی آواز اسکو خدا کی طرف سے شل راگ کے دل بہلانے والی معلوم ہوگی۔ اور اگر ایسا نہیں کرے گا تو اسکو وہی آواز اسقدر ناگوار معلوم ہوگی کہ وہ اس سے دور ہو کر گویا خدا کے قدرتی عطیات کو اپنی کم فہمی سے ضائع کر دے گا۔“

سر نہری ٹیلر کا قول ہے کہ ”ہم اگر اپنی گذشتہ عمر کی طرف خیال کریں تو سوائے اسکے کہ جو

موقع ہمو آرام کا ملا تھا او کو ہمیشہ کہوتے رہے ہین او کچھ خیال نہیں گذرتا۔  
 سڑی براؤن کا مقولہ ہے کہ ”جس انسان کو اپنی زندگی آرام سے گذارنی نہیں آتی گو وہ  
 انسان کے قالب میں کیون نہ پیدا ہوا ہو لیکن اس کو شیطا نکا سایہ ہی خیال کرنا چاہئے۔“  
 سینٹ بڑاڑو کا قول ہے کہ ”اپنی تکلیف کا باعث اپنی ذات کے سوا کسی دوسرے کی ذات  
 نہیں ہوتی۔ یعنی جو نقصان ہوتا ہے وہ اپنی ہی ذات سے ہوتا ہے۔ یا صحیح لفظوں میں  
 یوں کہنا چاہئے کہ ہم خود ہی اپنی تکلیف کے موجب ہوتے ہین۔“

مارکس ٹری لی اس کہتے ہین کہ ”آرام حاصل کرنے کے تمام اسباب خداوند تعالیٰ نے انسان کے  
 اختیار میں دئے ہین۔“

۹  
 ایپی کیسٹس کا بیان ہے کہ ”انسان کو جو کچھ پیش آتا ہے وہ مصلحت خداوندی سے خالی  
 نہیں ہوتا کیونکہ خداوند تعالیٰ جو کچھ کرتا ہے وہ حکمت سے خالی نہیں ہوتا۔ فعل الحکیم  
 لا یخلو اعن الحکمتا انسان کو ہرگز ایسا خیال نہ کرنا چاہئے کہ جو کچھ ہم کریں وہ اپنی  
 حسب مرضی کریں۔ بلکہ خدا کی طرف سے جو کچھ پیش آئے او کو بہت ٹھیک خیال کرنا چاہئے  
 اگر ہم ایسا کریں گے تو ہماری زندگی نہایت آرام سے بسر ہوگی۔ غیر شخص کی چیز کی خواہش کہی  
 نہ کرنی چاہئے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ غیر شخص ہی ہماری چیز کا خواہشمند ہو جائے۔ بڑاڑو کا قول  
 جو ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اوپر عمل کرنے والے بہت ہی کم ہین۔ تکلیف و فکر و بیماری وغیرہ  
 اکثر ظاہری وجوہ سے نہیں لاحق ہوا کرتی ہین۔ بلکہ اپنے عزیز و اقارب کی بے اعتنائی  
 اپنی بد چلنی اور دوسروں کے طعن و تشنیع سے طبیعت پر رنج و ہراس کا اثر ہوا کرتا ہے۔

تہیگل جو اپنے ملک کا بڑا خیر خواہ تھا جس روز اس نے اپنی زیر تصنیف کتاب کو ختم کیا ہے اسی روز اس کا ملک تباہ اور غارت ہوا اگر اسی روز اس کو اپنے ملک کی تباہی کا حال معلوم ہو جاتا تو مارے غم کے ممکن نہیں تھا کہ وہ اپنی کتاب پوری کر سکتا۔

اگر کوئی انسان اپنے ہمجنس سے علیحدگی چاہے تو اس کا تباہ ہونے والا نہیں۔ انسان کا دل ہمیشہ دوسروں کی محبت پر مائل رہتا ہے۔ وہ کسی جزیرہ کی طرح علیحدہ نہیں رہ سکتا اور اپنے ہمجنس سے علیحدہ رہ کر آرام حاصل نہیں کر سکتا۔ جو شخص اپنے بھائیوں کی فلاح و بہبود کے خیال سے غافل رہ کر اپنے رنج کا شریک نہ ہو تو وہ اپنی خوشی سے محروم رہیگا علیٰ ہذا القیاس اگر ہم خود غم غمض نہ کر غیر کے رنج و الم کے شریک نہ ہوں تو دنیا کے متعلق بہت سے عمدہ آراموں کو ہم کو دینگے۔ غیر کا رنج دیکھ کر جب کا دل نہ پیسے تو اس کو آرام حاصل ہونے کی ذرا ہی امید نہیں کرنی چاہئے۔ انسان پر جو صیبتیں آتی ہیں وہ حقیقتاً صیبتیں نہیں ہیں۔ دراصل اسی میں آرام ہے۔

سرتی براؤن کہتے ہیں کہ ”جس رنج کی خوبی ہو کو معلوم نہیں ہے بغیر سوچنے اس کو سمجھنا اور اوس میں جو کچھ بہبودی ہو اس سے غافل رہنا خوب نہیں ہے“ لیکن کا قول ہے کہ جسم اور جان کو قائم رکھنے کے لئے رنج و راحت دینا چاہیے ہیں۔ رنج کو آئندہ کی راحت کی خبر دینے والا ایک مجرب سمجھو۔ اگر یہ نہ ہوتا تو انسان کو اپنی زندگی محال ہوتی اور صرف اپنے آرام کے فریے ہی بلاشبہ اپنی خرابی کے باعث ہوتے۔ جنہوں نے پورے طور سے غور نہیں کیا ہر انسان کا خیال ہے کہ جسم کے ایک اندرونی نازک حصہ کو رنج اور راحت کا جلد اثر ہوتا ہے مگر یہ

صحیح نہیں ہے۔ انسان کے جسم کا پوست و حقیقت نہایت نازک ہونے کی وجہ سے رنج کی کیفیت کی خبر چہرہ والوں کی طرح اسکو جلد خبر ہو جاتا ہے۔ مگر جب تک اس کے اندر کا گوشت اور استخوان رنج کا اثر محسوس نہیں کرتا اور سوقت تک انسان اس سے بیخبر رہتا ہے۔ رنج و خرابی کا سبب کیا ہے اسکی نسبت تو ہم بحث کرتے ہیں مگر خرابی کی حقیقت کیا ہے اسکا ہلکو کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ ہلکو جو مصیبت اور تکلیف ہوتی ہے اکثر آخر میں اسکا نتیجہ آرام نکلتا ہے۔ مصیبتوں کے دراصل مفید ہونے کو ہم کم سمجھتے ہیں۔ لیکن یہ سمجھ ہم کو تجربہ سے حاصل ہوتی ہے اور یہ بات بغیر چاروں طرف خیال دوڑائے دفعتاً ہماری سمجھ میں نہیں آسکتی ہے۔ قصہ مختصر یہ ہے کہ رنج و تکلیف کے جو مضمی عام طور پر سمجھی جاتے ہیں وہ غلط ہیں۔

اگر انسان اپنی خواہش کی چیزیں حاصل کرنے میں کامیاب نہ ہو تو اسکو اس خیال سے اپنے دل کو تسکین اور تسلی دینی چاہئے کہ خداوند تعالیٰ کو اپنی مخلوق کا یکساں خیال ہو اور اس کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں ہے۔ سوائے خدا کے حکم کے ایک پتہ بھی نہیں ہلتا۔ یہ تو ان لوگوں کا خیال ہوتا ہے کہ جو خدا اور اسکی قدرت کے قائل ہوتے ہیں۔ مگر جو لوگ کہ اسکو نہیں مانتے وہ ہر ایک قسم کی بہلائی اور بُرائی کا سبب دنیا کے مقررہ طریقہ کو قرار دیکر اپنے دل کو اطمینان دے لیا کرتے ہیں۔ اگرچہ اس دنیا میں آرام ملنے کا یقین نہیں ہے مگر ہر طرح سے آرام حاصل کرنے کی گنجائش ضرور ہے۔ جو مصیبت آئے اسکو اگر جو انگریزوں سے برداشت کر لیں تو وہ بھی آخر کو بہبودی کا باعث ثابت ہو کر رہتی ہے۔

سینکا کا قول ہے کہ ”انسان کو جو کسی طرح کی مصیبت و تکلیف لاحق ہوتی ہے اکثر وہی موجب راحت و آسائش ہوا کرتی ہے۔“ آرام سے پیشتر جو تکلیف اوسکا پیش خمیہ بنکر آتی ہے وہ باعث خوش قسمتی سمجھی جاتی ہے۔<sup>۱۲</sup> ہمیں ہولڈز کو ایک دفعہ موسمی بنجار سے بیمار ہو کر شفا خانہ سرکاری میں رہنے کا اتفاق ہوا چونکہ وہ ایک مدرسہ کا طالب علم تھا اسلئے اوسکی تیمارداری وغیرہ مفت ہوئی اس اثنا میں اسکے تھوڑے سے سرمایہ میں سے جو رقم پس انداز ہوئی اوس رقم سے اوس نے ایک خوردین خرید کی۔ اوس آگے کی خریدنے سے اوسکو علم کا شوق پیدا ہوا یہاں تک کہ وہ ایک مشہور فلاسفر ہو کر رہا۔ مذکورہ بالا بیان سے ناظرین خوب سمجھ سکتے ہیں کہ بنجار کی تکلیف جو اول میں اوس طالب علم کو سخت ناگوار معلوم ہوتی ہوگی آخر میں چلکر وہی اوسکو علم کا شوق دلانے اور فلاسفر بنانے کی موجب ہوئی۔

کاس ٹیلر کا بیان ہے کہ ”سوانہ رولہ نامی مشہور آدمی نے جس مصیبت میں وقت گزارا نسبت اسکے اگر وہ کسی دوسری حالت میں کہ جو اوس سے بہتر ہوتی زندگی بسر کرتا تو اسکا نام تاریخی دنیا میں اسطرح مشہور نہ ہوتا۔ اور اوس نے عام فائدے کی غرض سے جو چیزیں ایجاد کی تھیں وہ بھی نہ ایجاد کر سکتا۔ جن مصیبتوں سے اور کاجگر پاش پاش ہوا تھا اور حسرت و حرمان کی کٹھن گھڑیاں جھیلنی پڑی تھیں آخر میں انہیں سے اسکو دایمی شہرت حاصل ہوئی۔ اسکی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ایک حسین لڑکی پر فریفتہ ہو گیا تھا اور ہر وقت اوسکی خیال میں منہمک رہتا تھا۔ مگر لڑکی کے واسطہ داروں نے۔“

۱۴ سوانہ رولہ کو اسکی عدم قابلیت اور جہالت کیوجہ سے حصول مقصد کی طرف سے بالکل مایوس کر دیتا یہ اوسی کا نتیجہ تھا کہ اوس نے جان توڑ کر حصول علم میں کوشش کی اور بالآخر ایک نامور شخص بن گیا۔ ایک زمانہ سے بنی نوع انسان رنج کی حقیقت اور اوس کی علت کی تحقیق میں مصروف ہیں چنانچہ اب تک اس تحقیق کے متعلق جو نتائج ظاہر ہوئے ہیں ان میں سے چند ذیل میں بیان کئے جاتے ہیں۔

کسی نے دریافت کیا ہے کہ دنیا میں چند شیطاں ہیں کہ جبکی طرف سے تکلیف پھنپتی ہے ۱۵ یونانی لوگوں کا قول ہے کہ ”دیوؤں کے آپس میں نا اتفاقی ہونکی وجہ سے بُرائی اور بدی پیدا ہوتی ہے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ رنج و راحت یہ دونوں تقدیری مہر ہیں اور گذشتہ جنم میں کئے ہوئے کاموں کا نتیجہ ہیں اور یہی خیال ہندوؤں کا بھی ہے۔ عمل ہر ایک کے اختیار میں ہے کیونکہ انسان جیسا عمل کرتا ہے اوسکو ویسا ہی ثمرہ ملتا ہے دو اور دو کی میزان کہی پانچ نہیں ہوتی۔ جسوقت ۹ ایپی کٹیٹس ۱۶ جو پی ٹر کے ذریعہ سے انسان کو مخاطب بنا کر کہتا ہے کہ ”اگر مجھکو تیرا جسم اور تیری سی عادت و خصلت بنائی آتی کہ جو رنج اور تکلیف سے محفوظ اور پاک ہوتی تو میں ویسا ہی کرتا لیکن کیا کروں مجبور ہوں کہ مجھکو ویسا بنانا نہیں آتا۔ لیکن تاہم میں نے تجھکو ایک نہایت عمدہ اور اعلیٰ چیز عطا کی ہے اور وہ جان ہے۔“ تمکو چاہئے کہ تم اسکو خدا کا ایک بے باع عطیہ سمجھ کر نہایت خبرداری سے عیش و آرام کے ساتھ رکھو۔ ۹ ایپی کٹیٹس کا قول ہے کہ انسان کو جان سے بڑھ کر کوئی عمدہ چیز نہیں عطا ہوئی ہے۔ اسلئے انسان پر اوسکی حفاظت دنیا کی اور تمام

چیزوں سے زیادہ لازم ہے۔ اگر تو لایق ہے تو بے سمجھ اور لاپرواہی سے جان جیسی عمدہ اور نایاب چیز پر کچھ صدمہ نہ منے دیگا۔

اگرچہ سب کو غم غلط کرنا نہیں آتا تاہم دنیا میں اچھا اور کارآمد ہونا یا خراب اور بیکار رہنا یا اچھا اور بُرا بننا یہ اپنے اختیار میں ہے۔ ایسی گھٹس کا ایک دوسرا قول یہ ہے کہ ”عقل مند لوگ اپنی لیاقت سے بہت جلد رنج و محن کی مصیبت سے چوٹ جاتے ہیں۔ مگر بیوقوف لوگوں کو ادسکے پھندے سے چٹکارا پانچکے لئے ایک زمانہ درکار ہوتا ہے“ اپنے ذاتی تصور کے سوا رنج و محن کا باعث کچھ اور نہیں ہو سکتا۔ اگرچہ انسان خود غیر کے قبضہ اختیار میں کیوں نہ ہو۔ لیکن اپنے رنج و محن کا باعث وہ آپ ہی ہوتا ہے۔

اکثر لوگ رنج اور عہدِ مراض میں موت کی توجہ نہ کر کے مگر ادنیٰ ادنیٰ تکلیفوں سے گمراہ جاتے ہیں حتیٰ کہ زندگی سے بھی نفرت کرنے لگتے ہیں۔ حالانکہ اون ادنیٰ مصیبتوں میں سے کوئی بھی مصیبت ایسی نہ پائی جائے گی کہ جو آسانی سے رفع ہو سکتی ہو اس میں شک نہیں کہ جو خانگی جگر ٹے اور بکٹیرے اپنی غلطی سے پیدا ہوتے ہیں اگر وہ نابود ہو جائیں تو خانگی آرام و آسائش کی کوئی حد نہ باقی رہے۔ اگر ہم خود ہی جگر بڑی کرتے بیٹھے رہیں اور اپنی خوشی اور مسرت کا خیال چوڑے بیٹھیں تو یہ ہمارا قصور ہے۔ اگر دوسرے لوگ بھی ہم سے بڑی طرح پیش آئیں تو یہی ہموارنگی وجہ سے اپنے آرام و آسائش میں کس طرح کی کنڈت نہ ڈالنی چاہئے۔

اکثر مصیبتیں ہم ہی اپنی غلطی یا بیوقوفی سے اپنے اوپر بلاتے ہیں اور تھوڑے سی آرام

کی طرف خیال کر کے تمام مصیبت میں کاٹتے ہیں۔ مصیبت بطور خود کبھی نہیں آتی بلکہ ہم خود ہی اس کی طرف جاتے ہیں۔ برویہ کہتا ہے کہ ”اکثر لوگ اپنی عمر عزیزاوقات قیمتی کو بے کاموں میں صرف کر کے اونکو ناحق ضائع کرتے ہیں۔“

آئندہ مصیبتوں کا پہلے ہی سے خیال کر کے ہلکے قبل از وقت آزدہ نہونا چاہئے اور جو مصیبتیں ہم پر نہیں آئیں گی اونکے خوف سے کبھی دل شکستہ نہونا چاہئے۔ بلکہ جیانتک ممکن ہو ہلکے بچ و مصیبت دور کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ یہی عقلمندی ہے اکثر ایسا بیان کیا جاتا ہے کہ فلان شخص بہت محنت کرنے سے بیمار پڑا ہے۔ لیکن اگر غور سے دیکھا جائے تو فیصدی نووی آدمی محض رنج سے بیمار نظر آئیں گے۔

مذکورہ بالا قول ذی ہوش لوگوں کے لئے تو ٹھیک ہے۔ لیکن بچوں کے لئے ٹھیک نہیں ہے مشہور ہے کہ بچے بے فکر ہیں۔ مگر یہ غلط ہے۔ بچے تو اپنی دلوں میں یہی بنجیدہ کرتے ہیں اور اونکو تو ذرا سی بات پر بھی غصہ آجاتا ہے۔ ذی ہوش لوگوں کا آرام خود انکے اختیار میں ہوتا ہے۔ مگر بچوں کا رنج و غم اور خوشی و مسرت دوسرے لوگوں سے متعلق ہوتی ہے۔ چنانچہ رائے نامی مشہور چابک سوار کا بیان ہے کہ ”میں جب کبھی اپنے گھوڑے کو غصہ کے ساتھ کوئی لفظ کہتا ہوں تو ایک منٹ میں اس کی نبض کی دس حرکتیں معمول سے زیادہ بڑھ جاتی ہیں۔“ خیال کرنا چاہئے کہ جب گھوڑوں کی یہ حالت ہے تو ہماری خفگی سے بچوں کی حالت میں کیا کچھ نہ تغیر پیدا ہوتا ہوگا۔

اگر چھوٹے بچے بیوجہ ہی اپنی جان کو رنج دے لیں تو اون پر اسکا الزام کچھ نہیں عائد

ہو سکتا ہاں البتہ اگر واقفکار آدمی ایسا کرین تو ہر حالت میں وہ مستوجب الزام خیال کئے جائیں گے ہمت سے اگر مصیبتوں میں گہرا نہ جائیں تو بہت آسانی سے اونکو دفع کر سکتے ہیں بقول شخصہ ۵

|                        |                          |
|------------------------|--------------------------|
| مشکلے نیت کہ آسان نشود | مرد باید کہ ہر اسان نشود |
|------------------------|--------------------------|

۱۹ امر سن کا بیان ہے کہ آند ہی کا خوف جب قدر کہ کسی محفوظ مکان میں بند رہنے کی حالت میں ہوتا ہے او قدر باہر نکل کر باقی نہیں رہتا۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آئندہ مصیبت سے بچنے کے لئے طح طرح کی صعوبتیں اور سختیاں جھیلنی پڑتی ہیں۔ ایسی کیورس کا قول ہے کہ جس انسان کو توڑیسی راحت کافی نہیں ہوتی او سکو کسی چیز سے تشفی نہیں ہو سکتی۔ کیا ہم اوس چیز کے حصول میں کوشش نہیں کرتے کہ جو ہماری تشفی اور اطمینان کے لئے کافی نہیں ہوتی۔“ سینکا کہتا ہے کہ جس چیز سے ہم کو فائدہ نہیں او سکی ہم کو ضرورت بھی نہیں اوس سے بیوجہ گراں بار ہونا کیا ضرور ہے۔“ کم عقل تو ایسی ہی بیفائدہ باتوں میں اکثر کوشش کیا کرتے ہیں۔ ایک دولت مند شخص نے سفر میں بہت سافضل سامان مثل چوہیدان وغیرہ کے اپنے ہمراہ اس خیال سے لیا کہ شب کو سفر میں اگر چہ تائینگے۔ تو اونکو پکڑیں گے اور شہد کا چہتہ اس غرض سے لیا کہ اگر شہد کی مکھیاں ملینگیں تو اونکو اس میں رکھ دیں گے۔ ہرن نامی انگریز نے اپنی سفر نامہ میں ایک جگہ لکھا ہے کہ مجھ کو اشنا سفر میں چوروں کی ایک جماعت ملی۔ اور اوس نے میرا بہت سا اسباب لوٹ لیا۔ مگر میں نے اپنی دلوں کو یہ کہہ کر سمجھا دیا کہ سامان کم ہو جانے سے سفر کا باقی حصہ آرام سے طے ہوگا۔“ مذکورہ بالا

بیان کی طرح اکثر لوگ اس دنیوی بیضرورت بوجھ سے اپنے تئیں زیر بار کر لیتے ہیں۔  
ہر نامی مسافر کے مانند اپنے تئیں آرام سے نہیں رکھتے۔

مارکس آری لیس کہتا ہے کہ ”تکو جسوقت کوئی رنج و مصیبت پہنچے اسوقت یہ خیال کر لو کہ  
اس مصیبت کا برداشت کرنا اپنی بد قسمتی میں داخل نہیں ہے بلکہ اسکو مردانہ وار  
برداشت کرنا ہماری خوش قسمتی ہے۔“ جو بات کہ موجب غصہ ہوتی ہے اس سے بڑھ کر  
خود اپنا غصہ ہی باعث تکلیف و ایذا ہوتا ہے۔ اپنے خاندان کے جگر طوں و قصوں  
سے اکثر لوگ اپنے دل کو بیوجہ بنجیدہ اور ملول کر لیتے ہیں۔ اگر کوئی شخص ہمو عیب  
لگائے تو اس سے دس حصہ میں سے ایک حصہ ہی ہمو رنج نہ کرنا چاہئے۔ اس لئے  
کہ اگر وہ عیب ہم میں واقعی ہے تو ہمو خوش ہونا چاہئے کہ ہم اس سے مطلع ہو گئے  
اور اگر وہ عیب ہم میں نہیں ہے تو ناحق ہمو اس سے کیوں آزر دہ ہونا چاہئے۔

غصہ انسان کا ایک بڑا بیماری دشمن ہے۔ امیٹل ایک دریائے ناپید کنار کے ہے  
سرت کی تشبیہ بہت سے دیا جاسکتی ہے کہ جس سے انسان کو لطف حاصل ہوتا ہے۔  
مصیبت کا رنج و فکر مصیبت کی اصل تکلیف سے بڑھ کر رنج دہ ہوتا ہے۔ ایسی کٹیس کہتا ہے کہ جب  
تجکو موت درپیش ہے تو پھر میں کیوں رنج میں مرون۔ اگر میں یاہ جو لان کیا جاؤں تو  
اوسکا کیا غم۔ کوئی تجکو جلا وطن کرے تو میں اوسکو خوشی اور سرت سے کیوں نہ قبول  
کروں۔ اگر کوئی مجھ سے کہے کہ میں تجکو قید کرونگا تو اس سے اوسکا کیا مقصد پورا  
ہو سکتا ہے وہ میرے جسم کو ظاہری حرکت سے قید میں رکھ سکتا ہے۔ مگر میرا دل کبھی

مغلوب نہیں ہو سکتا۔ اگر ہم آرام سے نہ رہیں تو اس کا الزام ہمارے اوپر ہے۔  
 سقراط<sup>۲۲</sup> تیس<sup>۲۳</sup> ظالم بادشاہوں کی حکومت میں رہا تھا۔ اور ایپی کٹیس<sup>۲۴</sup> باوجود یکہ ایک دنی  
 غلام تھا لیکن دیکھئے پہر ہی ہم اس کے کس قدر مرہون منت ہیں۔ ایپی کٹیس کہتا ہے کہ اگر لوگ  
 مجھے یہ سوال کریں کہ ایسا شخص کس طرح آرام سے زندگی بسر کر سکتا ہے کہ جس کے پاس خرچ کرنے کو  
 ایک کوڑی نو تن پوشی کے لئے کوئی کپڑا نہ ہو اور رہنے کے لئے کوئی چوڑی نو خدمت کر لئے  
 نوکرا چاکر نہ ہو اور چہرہ پر رنگ روپ نہ ہو۔ تو میں اُنکے جواب میں کہوں گا کہ ہاں اس حالت میں  
 ہی انسان خوشی سے زندگی بسر کر سکتا ہے۔ چنانچہ خداوند تعالیٰ نے مثال کے طور پر تم ہی لوگوں  
 میں ایک ایسا شخص پیدا کیا ہے۔ نظر عبرت سے مجھ کو دیکھو کہ میں نہ کسی املاک کا مالک ہوں  
 نہ کچھ دولت ثروت رکھتا ہوں نہ میرے رہنے کا کوئی مکان ہے اور نہ خدمت کر لئے نوکرا چاکر موجود  
 ہیں سطح زمین میرا فرش ہے اور گنبد نیلگون میرا سائبان۔ بقول شخصے ۵

|                                   |                                   |
|-----------------------------------|-----------------------------------|
| ”بستر خاک کا ایک پارچہ پل کی کلاہ | تاج خسرو ہے یہی تخت سلیمان ہی ہے“ |
|-----------------------------------|-----------------------------------|

نہ میں بیوی رکھتا ہوں اور نہ اولاد۔ اسپر ہی اب مجھے کسی چیز کی ہوس نہیں ہے۔  
 نہ کسی طرح کا رنج ہے اور نہ ہراس۔ نہ کسی کا خوف ہے نہ خطر اس وقت میں بالکل آزاد ہوں  
 مجھ کو کیا ضرور ہے کہ آرائشات دنیا کی خواہش کر کے اون میں پھنس جاؤں اور بیٹھے بھلاؤں  
 اپنی آزادی کو کہو دوں۔ یہ کون عقل کی بات ہے کہ جس مصیبت سے میں کو سوں دور رہا گتا  
 پرتا ہوں اوس کو میں اپنے آپ اختیار کروں۔ کیا کسی نے کبھی میری زبان سے خدا  
 کی ناشکری کے کلمات اور بنی نوع انسان کی نسبت مکروہ الفاظ سنے ہیں۔ کیا کبھی کسی نے

محبو ملول خاطر اور پشہ مردہ پایا ہے تم نے کبھی نہیں دیکھا ہو گا کہ میں نے کسی پر شک و حسد کیا ہو۔ کیا جن لوگوں نے محبو دیکھا ہے انہوں نے محبو اپنے دل کا بادشاہ نہیں تسلیم کیا ہے۔“ ۹

غور سے دیکھنا چاہئے کہ ہم پر خدا کے کس قدر بیشمار احسانات ہیں۔ اور اس کے الطاف و عنایات کی کچھ انتہا نہیں ہے۔ لیکن ہم اس قدر ناسپاس ہیں کہ کبھی اس کی عنایتوں کی قدر نہیں کرتے ادنیٰ ادنیٰ چیزوں سے اس کی الطاف و عنایات کا پتا چلتا ہے۔ لیکن افسوس کہ ہم اونکو کچھ بھی خیال میں نہیں لاتے۔ پیٹٹر کہتا ہے کہ کمانے پینے کی چیزیں جو کچھ کہ خدا نے ہمکو عطا کی ہیں اونکو عام ہونے کی وجہ سے کم وقت نہ سمجھنا چاہئے۔ بلکہ خدا کی بزرگی اور عظمت ہم سے جس قدر ہو سکے اسکو اپنے اوپر لازم گردانا چاہئے۔ ”اسحق والٹن کا بیان ہے کہ ہم پر خدا کے احسانات ہر روز ہر وقت اور ہر لحظہ و ہر لمحہ جو ہوتے رہتے ہیں اونکی قدر و منزلت کر کے ہمکو اسکا ممنون اور احسان مند ہونا چاہئے۔ جب دس آدمی ایک جگہ جمع ہوں تو اسوقت خدا کی حمد و ستائش سے کبھی غافل نہ ہونا چاہئے۔ آپ ہی فرمانے کہ اگر نابینا آدمی بنا ہو کر عالم کی حسین جوہل چیزیں دیکھنے لگے تو وہ اپنے آپکو کیسا کچھ خوش نصیب نہ سمجھیکا۔ وہی باتیں اور آرام کے ذرائع ہر روز تمکو بھی حاصل ہیں۔ مگر افسوس کہ تم اونکا کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔“

اپنی کیورس کا قول ہے کہ ”انسان کو جس قدر آرام اس کے اغراض کے محدود ہونے سے حاصل ہوتا ہے اس قدر لا انتہا دولت سے کبھی نہیں ہوتا۔“ انسان کو آرام کے محدود معاون ذرائع

خداوند تعالیٰ نے بہت کچھ پیدا کئے ہیں۔ ”رنگین کتا ہے کہ“ اپنے کہیت کی بہار اور درختوں کے پہل پہل دیکھ کر یا اچھا کھاتے وقت یا اچھا پنتے وقت انسان کو جو خوشی و سرور ہوتا ہے تو کیا یہ کل خوشی و آرام کے ذرائع انسان کے اختیار میں نہیں ہیں جرمی ٹیلر<sup>۲۵</sup> کتا ہے کہ ”مجھ پر جو ایک بار چور رونے لگے ہلکا ہوا اس سے میرا کچھ نقصان نہیں ہوا جب تک میری پرورش کر نیوالے اور مدد دینے والے بہت سے دوست اور عنایت فرما زندہ ہیں۔ اوں کو میں ایسی ہی نصیحت کرتا رہوں گا کہ میری بشاش صورت خوش طبیعت اور صاف دلی کو چور نہیں چوراسکتے جسکو اپنے آرام کے ذرائع حاصل ہوں اور اوں کو وہ ماحق کو دے اور اپنے آپ کو رنج کے کانٹوں پر لٹا کر سختی اوٹھائے تو اس کو مصیبت کا خواہشمند سمجھنا چاہئے۔“ اپنی کٹیٹس کتا ہے کہ اگر یہ بات مد نظر رکھی جائے کہ آفتاب و حتاب و خشکی اور دریا خدا کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں تو ہم کو اس خیال سے کچھ رنج اور صدمہ نہیں ہوگا کہ ہم کیسی کیسا ت میں جنگل میں زندگی بسر کرتے ہیں۔

## دوسرا باب

### فرض منصبی ادا کرنے کی مسرت

اپنے فرض منصبی کی نسبت یہ ہرگز خیال نہ کرنا چاہئے کہ وہ ہم کو محنت و مشقت میں ڈالنے والی اور رنج و تکلیف دینے والی شے ہے۔ بلکہ یہ سمجھنا اور سمجھانا چاہئے کہ وہ ایک محبت کرنے والی رحم دل اور دنیا کے رنج اور فکر سے بچا کر ہم کو شوالدین کے آرام دینے والی چیز ہے

اگر ہم بنی نوع انسان سے علیحدہ ہو کر گوشہ نشینی اختیار کریں تو سمجھنا چاہئے کہ ہم خود غرض  
ہیں۔ اور ہم پر خود غرضی کا الزام عائد ہوتا ہے۔ علاوہ ازیں کچھ عزت، اختیار کرنے  
کے بعد بسا اوقات انسان کو اپنی زبست بھی دو بہر معلوم ہونے لگا کرتی ہے۔ انسان  
کو دوسروں کے کام بھی آنا چاہئے۔ گویا یہ فرض ہے اور اس فرض کے ادا کرنے سے  
زندگی آرام سے گذرتی ہے اور اسکی وجہ سے ہم کو رنج و تکلیف نہیں ہونی پاتی۔ اب یہاں ایک  
اہم سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر اس زندگی میں مختلف قسم کی دقتیں اور مشکلات نہ پیش آیا  
کریں تو وہ کیسے خوش آئند ہو سکتی ہے۔

جن عقلا نے اکثر کاموں کو موجب راحت اور باعث آرام خیال کر کے اختیار کیا ہے اور انکو  
اونہیں آرام نہیں نصیب ہوا بلکہ انکی وجہ سے انکو بدنامی نصیب ہوئی ہے اسٹینی کا قول  
ہے کہ "مخت بین آرام ہے"۔ بروٹس نے کہا ہے کہ "نہیں آرام اگر کچھ ہے تو اعلیٰ ترین  
ہے"۔ اور سیزر نے ملک کی ترقی میں آرام شمار کیا ہے۔ مگر اب ہمارے یہ دیکھنا چاہئے کہ  
آخر انکے خیالات کتنا تک صحیح تھے پہلے کے نام کو ہمیشہ کر لئے بڑا لگا دوسرے کی  
زندگی فنا ہو گئی تیسرے سے سب لوگ منحرف ہوئے۔ اور آخر کار وہ تینوں کی تینوں  
آرام و آسائش کی حسرت دل میں لیکر ملک عدم کو پہل بسے۔ اگر کوئی سمجھتا ہو کہ آرام و  
آسائش سے رہنمائی دولت پونج ہے تو ہم کہتے ہیں کہ اس کے ساتھ فلسفی اور شکستہ حالی کا  
خوف و خطر لگا ہوا ہوتا ہے۔ اگر دولت کو سوچ سمجھا چھی جگہ استعمال کریں تو آرام ملتا ہے  
یہ صحیح ہے مگر اسکی حفاظت کرنا بڑی مشکل ہے۔

اب یہ دیکھنا باقی ہے کہ آخر انسان کس طرح آرام حاصل کرتا ہے۔ مارکس اریلی اس کہتا ہے کہ فقط ایک تدبیر سے یہ شکل آسان ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ انسان اپنے دل کو ریج بند ریج اور راحت کو ہیچ خیال کرے۔ بیفائدہ کوئی کام نہ کرے۔ اور جس کام کو کرے اسکو نہ نظر حقارت سے کرے اور نہ تکبر و غرور سے۔ دوسرے شخص پر کسی کام کا بہرہ و سائیکنا چاہئے۔ ہم پر جو کچھ گزرے یا آئندہ کے لئے قسمت میں جو کچھ لکھا ہوا اسکو خالق برحق کی مرضی سمجھ کر اس پر ہمو صبر و شکر کرنا چاہئے۔ موت سے کبھی ہر انسان نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ ہر وقت خوشی کے ساتھ اسکا منتظر رہنا چاہئے۔ کیونکہ جن عناصر رابعہ سے ہر ایک ذمی حیات کی ترکیب ہوئی ہے وہ ایک نہ ایک دن اپنی اصل کی طرف رجوع ہونیوالی ہے۔ مگر مذکورہ بالا بیان کے آخر میں جو موت کا ذکر کیا گیا ہے وہ بالکل یہ نہیں کیا گیا ہے کیونکہ یہ بات ظاہر ہے کہ موت جس قدر خوفناک چیز سمجھی جاتی ہے اس قدر ہم اس کا اثر لوگوں کے دلوں پر نہیں پاتے۔

بیکین کا قول ہے کہ موت کا خوف اور خیال سب ہی کو ہوتا ہے مگر اسکا اثر اور اس اثر کا قیام ایک مین ہی نہیں پایا جاتا۔ دیکھو کتنا ہی بُودا اور بُردل شخص کیون نہو جب وہ جان دینے پر مستعد ہو جاتا ہے تو موت کی کچھ ہی پروا نہیں کرتا اور اس کے دل میں ترس و رعب کا مادہ ذرہ برابر باقی نہیں رہتا۔ آبرو کے مقابلہ میں لوگ موت کی کچھ حقیقت نہیں سمجھتے چنانچہ یہ تو زبان زد خاص عام ہے کہ جان جانے آبرو نہ جائے۔

اگر دوسروں کی حاجت روائی کیو اسلئے ہم اپنی جان کھپا دین اور دنیا میں طمانیت بار

زندگی اور انسان کی باہمی محبت پیدا کرنے کی غرض سے بدل و جان کو شش کرین تو پہر ہکومت سے کچھ خوف و ہراس نہ کرنا چاہئے۔ اس دنیا کے خرنشون سے بچانیکے لئے دوسروں کے ساتھ بھلائی اور نیکی کرنے میں جو وقت صرف ہوتا ہے جیسا وہ کام آتا ہی ایسا اور کوئی کام نہیں آتا۔ استقلال اور اطمینان کے ساتھ ہم کو اپنی نیکی کاری کے نتیجہ کا منتظر رہنا چاہئے۔ اور جو کچھ اپنے اوپر گزرے اُسکو موجب راحت خیال کرنا چاہئے۔ کیونکہ خدا جو کچھ کرتا ہے اوس میں اوسکو ہمیشہ ہماری بھلائی منظور ہوتی ہے۔ اگر ہم اپنے ارادوں کے مطابق کچھ نہ کر سکیں تب بھی جو کچھ ہم سے ہو سکے گا اس کا اثر ہم پر اچھا ہی ہوگا۔ یہ بات ٹھیک ہے کہ ایک ہی آدمی سب کچھ نہیں کر سکتا۔

اپنی کٹیٹس کا قول ہے کہ تم میں ایسی قوت نہیں کہ جو تم دوسروں کے برے خیالات کو جڑ سے نابود کر سکو۔ اس دنیا میں جب قدر برائیاں ہیں اون سب کو تم کسی طرح نہیں رفع کر سکتے ہو۔ مگر خود تم میں جو برائیاں ہیں اونکو تم بیشک دور کر سکتے ہو۔ تم بچ و خوف۔ بڑائی۔ غور۔ حسد۔ دنیا کی محبت اور بے ادبی کو دل میں جگھ مت دو۔ اگر تم خدا پر ہر وسار کو گے اور اوس سے لو لگاؤ گے اور اوس کے اطاعت گزار بندے بنکر رہو گے تو بیشک تم اون برائیوں کو دور کر سکو گے۔“

اکثر لوگوں کا خیال ہے کہ اس سے بڑھ کر انسان کے لئے کوئی امر موجب راحت نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے ارادے میں کامیاب ہو۔ مگر سکیں کا قول ہے کہ جو شخص آزاد ہیں کیا

وہ آرام میں ہیں۔ نہیں بلکہ وہ بھی ہماری طرح رنج اوٹھانے میں ہمارے شریک ہیں۔ مثلاً حیوانات کہ جو بالکل مطلق العنان ہیں وہ بھی کسی طرح آرام میں نہیں ہیں۔“ بعض کوتاہ اندیش لوگ خیال کیا کرتے ہیں کہ جو وقت عیاشی میں گزرے اوس سے بہتر کوئی عیش و آرام نہیں ہے۔ لیکن اگر فی الحقیقت دیکھا جائے تو عیاشی میں عیش ذرا بھی نہیں حاصل ہوتا۔ جس قدر رنج اور جس قدر مجبوری انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے کہ جس وقت وہ تمام و کمال اپنے دل کے قابو میں ہو جاتا ہے اس قدر اس کی سطح نہیں ہوتی جیسے شرابی اپنے کی عادت یا ایسی ہی اور کوئی لت۔ شراب پینے سے اول تو سرور معلوم ہوتا ہے مگر آخر کو وہ زہر ثابت ہو کر رہتی ہے۔ اگر ایک مرتبہ شراب پی جائے تو ضرور ہے کہ دوسری مرتبہ بھی اس کی خواہش پیدا ہو۔ ایسا ہی اور دوسری بُری عادتوں کا خاصہ ہے۔ اکثر منشی حیوان کے استعمال سے انسان اونکا عادی ہو جاتا ہے۔ لیکن اون سے آرام و راحت ہرگز نہیں حاصل ہوتی۔ بُری عادتوں کے ترک کرنے کی وقت بہت سی دقتوں اور شکلوں کا سامنا ہوتا ہے۔ بُری عادتوں کے اختیار کرنے میں انسان کو اول تو آرام معلوم ہوتا ہے۔ لیکن وہ آرام بہت جلد نابود ہو جاتا ہے۔ اور آخر کار باعث رنج و مصیبت ہو کر رہتا ہے۔ اپنے دل پر قابو یافتہ ہونے میں گواہ اول کیسی ہی دشواریاں کیوں نہ ہوں۔ لیکن اگر رفتہ رفتہ اس کو اپنے قابو میں لایا جائے تو آسانی کے ساتھ اپنے قابو میں آسکتا ہے۔ اپنا دل اپنے قابو میں رکھیں تو اوس سے بڑھ کر بہادری اور خوشی کسی دوسری چیز میں نہیں ہے بالکل سُست مٹھے کرایہ کے یا بو کو بار بار پھڑپھڑانے کے چلانے والے کو ایک عمدہ گھوڑا دیکھنا

دو ٹھانا دشوار ہے۔ کیونکہ اوس میں زیادہ لیاقت اور قوت درکار ہوتی ہے۔ اس طرح اگر غلام کے مانند بے اختیار اور غیر قابو دل کو بار بار چوکا دے کر اپنے اختیار میں رکھا جائے تو اوس سے زیادہ مسرت حاصل ہوتی ہے۔

سرٹنی براؤن کا قول ہے کہ جو شخص اپنے دل کا مالک بن گیا اوس کو پھر دنیا کی بادشاہت اور دولت کی کچھ پروا نہیں رہتی۔ کیونکہ جو لوگ عزت۔ رتبہ یا اعلیٰ درجہ سکتے ہوں وہ فی الحقیقت بڑے آدمی نہیں ہیں۔ جنکو اپنا دل اپنے قابو میں کرنا نہیں آتا انکو اگر بادشاہت بھی حاصل ہو تو بھی وہ بادشاہ نہیں ہیں۔ اگر سادہ ہو خاک میں پڑا ہو گو وہ منطس ہی کیونہو اور اکیلا ہی کیونہو بھٹکتا پرتا ہوتا ہم وہ دنیا کا بادشاہ ہے کیونکہ اس طرح پراوسکو دین حاصل ہے اور دنیا دین کے ذیل میں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دنیا کے لوگ بھی انکی عزت کرتے ہیں اسکی نسبت پی رسی اس اور سی نی اس کا اسطرح مباحثہ ہوا۔

سی نی اس - تم اگر شرٹنی پر قابض ہو جاؤ تو پہ کیا کرو گے ؟

پی رسی اس - میں سسلی جزیرہ فتح کرونگا۔

سی نی اس - او سکے بعد ؟

پی رسی اس - امریکا۔

سی نی اس - فرض کرو کہ تم نے کل دنیا کو فتح کر لیا۔ او سکے بعد کیا کرو گے ؟

پی رسی اس - پھر میں آرام لونگا۔ اور اپنی عمر خوشی میں گزار دونگا۔

سی نی اس - پھر ابھی اپنی زندگی خوشی و خرمی میں کیوں نہیں بسر کرتے۔ اگر ہفت قلم

۳۱  
 کی سلطنت حاصل ہو تو سب آرام و چین کے مقابلہ میں انکی کچھ حقیقت نہیں سہلیس کا قول  
 ہو کہ کل دنیا کے سامان عیش کی وسعت دیکھ کے انسان او کے مقابلہ میں اپنے تئیں  
 بالکل بیخ خیال کرتا ہے اور اسکو ناامیدی ہوتی ہے کہ اگر حکومت بادشاہت ہی حاصل ہو تو  
 گویا کل دنیا میں سے ایک کو نہ ہی نہ حاصل ہوا۔ لیکن کا قول ہے کہ ”بادشاہت کے  
 مرتبہ کو سمجھنے میں بہت سی مشکلات اور دقتوں کا سامنا ہوتا ہے۔ بادشاہ برجون کے  
 مانند ہیں دیکھنے والے اونکو بڑے آرام و چین میں جانتے ہیں۔ دراصل اگر دیکھا جائے  
 تو اونکو چین کے ساتھ ایک جگہ بٹھینا کبھی نصیب نہیں ہوتا۔“ ۳۲  
 میں جب کا نام رسی پلک ہے ایک نقل لکھی ہے کہ پہلے زمانہ میں موت کے بعد ہر ایک روح  
 کو اگلے جنم میں اپنی خواہش کے مطابق حالت اختیار کرنیکے لئے آزادی تھی چنانچہ لوگوں  
 نے اس بات کی خواہش اور کوشش کی کہ میں دوسری دنیا میں ایک خوش باش اور  
 فارغ البال آدمی کی طرح زندگی بسر کروں۔ اور جب اسکی خواہش پوری ہو گئی تو وہ بہت  
 خوش ہوا۔ اور اس آرام و آسائش کا پتا اسکو اسوقت تک نہیں ملا کہ جب تک اس کے  
 دماغ میں زمانہ کی ہوا و حرص سمائی رہی۔“

۳۳  
 انسان کے لئے اسکا وجود ہی ایک بڑی سلطنت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کا قول  
 ہے کہ ”جس نے اپنی زبان و دل کو اپنے اختیار میں رکھا ہے گویا وہ ایک شہر پر قابض و  
 مسلط ہو نیوالے شخص سے بھی زیادہ بباد رہے۔“ اپنا دل اپنے قابو میں لانا یہ بہت بڑی  
 حکومت ہے۔ یہ فتنہ توڑا ہی ملتی ہے۔ اسکو حاصل کرنے کی واسطے اول خود کو حاصل کرنا پڑتا

ہے وہ اپنا طریقہ ٹھیک رکھیں گا تو تب ہی وہ اسکو حاصل ہوگی۔ کیونکہ جو محنت کرتا ہے اسکی محنت کبھی رائگان نہیں جاتی۔

۳۵  
ارسطو کا یہ قول حیرت کے قابل ہے کہ بیوپاری اور تجارت پیشہ لوگ جیسا کہ چاہئے ویسے نیکم راج اور فیاض دل نہیں ہوتے۔ ارسطو کا یہ قول شاید اگلے زمانہ کے یونان کی لوگوں پر صادق آتا ہوگا۔ مگر موجودہ زمانہ میں تو کسی طرح اسکی صحت نہیں پائی جاتی۔ ایک دوسرے موقع پر اس نے اپنے اس قول کے خلاف یہ بھی لکھا ہے کہ جس کسب میں اپنے کو کچھ فرصت ملے اسکو اختیار کرنا چاہئے۔ نیک طریقہ کے واسطے جس بات کی ضرورت داعی ہو اسکو ضرور اختیار کرنا چاہئے۔

انگلینڈ میں اکثر لوگوں کا کسب کھیتی۔ بیوپار۔ اور قسم قسم کے کارخانے وغیرہ ہیں اور طرح طرح کے کسب کمال سے لوگ اپنی گزراوقات کرتے ہیں ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ بیوپار کی وجہ سے وہاں کے لوگ فیاض نہیں۔ اپنی زندگی جس طریقہ سے چاہیں اختیار کر سکتے ہیں اکثر لوگ غریب کی زندگی پر ہنسی ہیں اور حاکم یا بادشاہ بڑے لائق آدمی کو بھی نظر حقارت سے دیکھتے ہیں۔ فیاضی اور کشادہ دلی سے بیوپار کرنے میں انسان کو پوری کامیابی ہو سکتی ہے۔ رکن نے صنعت و حرفت کے متعلق جو کچھ بیان کیا ہے وہ مناسب کمی بیشی کے ساتھ انسان کی زندگی پر علی العموم منطبق ہو سکتا ہے۔ اس کے بیان کا مدعا یہ ہے کہ انسان جو کام کرتا ہے وہ خود اہم ہو یا معمولی۔ اگر وہ حسب دلخواہ ہوتا ہے تو اس کے انجام دینے میں اسکو ایک طرح کا لطف حاصل ہوتا ہے۔ جو کام اچھی غرض پر مبنی ہو اسکو بلا تامل کرنا چاہیے

بقول شخصے۔ 'درکار نیک حاجت ہیچ استخارہ نیست۔ اگر تمام پیشہ جات کو عمدہ ہی تسلیم کر لیا جاوے تب ہی ہر ایک پیشہ میں کچھ نہ کچھ فرق ضرور ہوگا۔ یہ ضرور نہیں کہ انسان کو ہر ایک پیشہ میں کامیابی ہی حاصل ہوا کرے۔ جو کام کہ آسانی اور سہولت کے ساتھ انجام پائے اسی کو اختیار کرنا چاہئے تاکہ آرام سے زندگی گزر جائے۔'

تاریخ میں جن بہادر وں کا ذکر ہے اونکی بہادری سُن کے تو ہم حیرت کرتے ہیں مگر نہیں سمجھتے کہ اس زندگی میں ہر فرد بشر کو اِدُن بہادر وں کی طرح اپنے جو ہر مردانگی دکھانے بغیر کوئی چارہ ہی نہیں ہے۔ نیکی اور بدی کو آزادی کے ساتھ اختیار کرنے کا حق انسان کو دیا گیا ہے۔ بدی سے بچنے کی کوشش کرنا اگر سچ پوچھئے تو کچھ کم بہادری کا کام نہیں ہے۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ موجودہ زمانہ میں زندگی بڑی کمٹھن اور تنگ آلودہ ہے۔ انسان کو سابق کے موافق اب آرام نہیں ملتا اور زندگی کے جگرٹے بکھڑے تو زمانہ قدیم سے چلے آتے ہیں مگر اس زمانہ میں چونکہ ہماری حفاظت کا پورا پورا بندوبست ہو اس لئے ہم کو کچھ خوف و خطر نہیں ہے۔ لیکن ہم کو کبھی اس کا خیال ہی نہیں ہوتا۔ اس میں شک نہیں کہ اس زمانہ میں ہم کو بہت محنت کرنی پڑتی ہے۔ لیکن اگر بید محنت نہ کیجائے تو چندان نقصان اور ضرر نہیں پہنچ سکتا۔ ہم کو اب سر اٹھانے کی فرصت نہیں ملتی۔ بالفعل ہمارا وقت کام میں گزرنے سے دل خوش رہتا ہے۔ سرسری طور پر دیکھا جائے تو لیاقت و قابلیت کی قدر جیسی اس زمانہ میں ہوتی ہے اور محنت شاقہ کا جیسا یقینی ثمرہ ہم کو

اسوقت حاصل ہوتا ہے ویسا اور کسی زمانہ میں نہیں حاصل ہوتا تھا۔

جو کام کہ شروع کیا جائے اور اسکے اختتام میں دیر ہو تو امید کو ہاتھ سے نہ دینا چاہی  
اگر وہ کام جلد ختم ہو جائے تو اسوقت غرور و تکبر ہی نہ کرنا چاہئے۔ جسوقت اس میں غلطی  
ہوتی ہے اسوقت ہم قسمت پر الزام رکھتے ہیں۔ ٹنیکا نے ایک جگہ اپنی تحریر میں  
بیان کیا ہے کہ ”میری بیوی کی باندی ہر پاسٹ آنکوٹھنے معذرتی۔ لیکن وہ اپنے آپکو  
ایسا نہ خیال کرتی تھی بلکہ وہ سمجھتی تھی کہ میں اندہی نہیں ہوں مکان ہی میں اندہی  
ہے۔ گو سننے میں یہ بات قابل مضحکہ معلوم ہوتی ہو لیکن دراصل اگر دیکھا جائے تو ہمارا خیال  
ہی بعینہ اس بونڈی کی طرح ہے۔ اگر کسی حریص سے اسکی حرص کی نسبت سوال کیا جائے  
تو وہ یہی جواب دے گا کہ میں حریص نہیں ہوں بلکہ اس شہر میں بغیر حریص پیدا کئے دوسرے  
طریقہ سے زندگی بسر کرنا ممکن نہیں ہے۔ مجھ کو ظاہری ٹیپ ٹاپ کی کچھ پروا نہیں ہے۔ لیکن  
کیا کیا جائے بغیر اسکے کچھ چارہ نہیں ہے۔ قصہ مختصر یہ کہ ہر شخص اپنے عیب کو دوسروں  
پر ٹاننا چاہتا ہے۔“

دنیا داری کے متعلق اگر کوئی راستہ اختیار کر لیا جائے تو اسوقت یہ سمجھنا چاہئے کہ ہم  
واقفکار رہبر کی رہبری میں ہیں اور پہرہ کو ضرور ہے کہ ادھر ادھر بھٹکنا چوڑ دین ہر انسان  
کے ساتھ اسکا راہ راست بتلانے والا ہادی اور رہبر موجود رہتا ہے یہ سچ ہے کہ مذہب  
ایک عمدہ راستہ بتلانے والا ہے۔ مگر اس میں بہت سی وجوہات سے شبہ پڑتا ہے اکثر  
موقع اور محل میں گفتگو کی مخالفت کی گنجائش ملتی ہے۔ اعتقاد کی نسبت اکثر شبہات پیدا

ہوتے رہتے ہیں اور اس میں حصین بھیں کی نوبت آتی ہے اگر ہکو کوئی کام اختیار کر نہیں  
 شنبہ واقع ہو تو اس وقت ہکو کا خود یہ سوال کرنا چاہئے کہ جو کام ہکو کل کرنا تہادہ ہم کر چکے  
 ہیں یا نہیں۔ ایک ہی کام یا ایک ہی ارادہ سے عمر آخنین ہوتی عمر کے آخر ہونے تک  
 ہر روز مٹی تیار کرنی پڑتی ہے۔ حواس خمسہ کو فتح کر نیکے لئے اپنی عادت اپنے اختیار میں  
 رکھنی پڑتی ہے اور خود اپنی ذرا ذرا حرکتوں پر نظر رکھنی ضرور ہوتی ہے۔

معمولی اور ادنیٰ باتوں کو وقیع اور قابل لحاظ بنانے کی زمانہ سلف سے آج تک لایق لوگ  
 تعریف کرتے آئے ہیں چنانچہ ایک نقل ہے کہ کسی نے اپنے لڑکے کو پہل دیکر اسکو توڑنے کے  
 لئے کہا۔ جب وہ پہل اوس نے توڑا تو اوس سے پوچھا گیا کہ اسکے اندر کیا ہے اُس نے  
 جواب دیا کہ اوس میں ننھے ننھے بیج ہیں۔ باپ نے لڑکے سے بیجوں کے پوڑ نیکی بھی  
 فرمائش کی اور جب وہ اونکو پوڑ چکا تو اوس نے اوس سے پوچھا کہ ان کے اندر کیا ہے  
 لڑکے نے جواب دیا کہ اسکے اندر تو کچھ بھی نہیں ہے۔ باپ نے کہا اے بیوقوف لڑکے  
 تجھ کو ان کے اندر کچھ نظر نہیں آتا اسکے اندر تو ایک بہت بڑا درخت ہے۔ درحقیقت اس  
 دنیا میں کوئی چیز معمولی یا ایسی نہیں ہے کہ جو نظر انداز کیا جائے۔ اس لئے ضرور ہے کہ چوٹی  
 چوٹی چیزوں اور معمولی باتوں کی طرف بھی غور اور تامل کیا جائے۔ مثلاً تم اگر یہ چاہو کہ  
 تمکو غصہ کبھی نہ آئے تو تم اپنے غصہ کو کبھی ترقی مت دو۔ اور جس بات سے غصہ کے  
 ترقی پکڑنے کا اندیشہ ہوا اسکو مت اختیار کرو۔ پہلے خاموش رہ کر دیکھو کہ تمکو غصہ آتا ہے  
 یا نہیں۔ اس تدبیر سے یہ ہوگا کہ اگر اس سے قبل تمکو ہر روز غصہ آتا تھا تو اب روز نہیں

دوسرے روز آئے گا۔ اور پھر دو دن کے بعد اور پھر چار روز کے بعد علیٰ ہذا القیاس کم ہوتے ہوتے تھینوں اور برسوں غصہ نہیں آئیگا اور پھر اسکی عادت بالکل چھوٹ جائیگی یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کوئی عادت دفعتاً نہیں ترک ہوا کرتی۔ بلکہ تدریجاً اسکا دفعیہ ہوا کرتا ہے۔ اگر تمکو اس بات کا یقین ہو جائے کہ تمکو اب غصہ نہیں آتا اور غصہ کی بات شکر غصہ کو ضبط کر سکتے ہو تو تمکو خوش ہونا چاہئے کہ تم نے سید ہی راہ حاصل کر لی ایمرسن<sup>۱۹</sup> کہتا ہے کہ ”ایک آدمی بہشت میں داخل ہوا وہاں اس نے بہت سے دیوتاؤں پر جلوس فرما دیکھے۔ سوائے اون دیوتاؤں اور اس آدمی کے وہاں اور کوئی نہ تھا۔ دیوتاؤں نے اس آدمی کو دعائیں دیکر تخت پر بیٹھنے کی لئے اشارہ کیا اس ناشائین ایک طوفان اٹھا اور وہ اس آدمی اور اون دیوتاؤں کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس وقت اس نے دیکھا کہ میں ایک جم غفیر میں کڑا ہوں اور وہ تمام مجمع حالت اضطراب میں ہے۔ یہ تنہا آدمی اس مجمع کی نقل و حرکت کو کسی طرح نہیں بدو کر سکتا تھا۔ اور نہ وہ اس مجمع میں اپنی مرضی کے موافق کچھ کر سکتا تھا۔ اس عرصہ میں طوفان فرو ہوا اور اسکو پہرہی دیوتاؤں پر جلوس فرما نظر آئی اور اسنے انکے روبرو دل سابق کر اسوقت ہی تنہا اپنے ہی آپ کو پایا۔“ ایمرسن<sup>۱۹</sup> کا قول ہے کہ ”جو نیک آدمی ہوتے ہیں وہ اس قسم کے گروہ میں پھنسے پر ہی اپنے دل کو اسطرح استوار اور مضبوط رکھتے ہیں کہ جیسے وہ تنہائی میں رکھہ سکتے ہیں۔“

ہم اپنے دل کو خود مطمئن رکھہ سکتے ہیں۔ مارکس اری لی اس کہتا ہے کہ ”اکثر لوگ جنگل میں

یاد ریا کے کناروں اور پہاڑوں پر اپنے آرام کے لئے مکان بناتے ہیں اور انکو ایسی جگہ بہت پسند آتی ہے۔ مگر ایسی جگہ آرام کی خواہش کرتا سر اسرم کرم فی کی نشانی ہو اگر تم چاہو تو تم بطور خود آرام حاصل کر سکتے ہو۔ انسان کا دل مطمئن ہونا چاہئے اس سے جس طرح دنیا کا رنج محو ہوتا ہے اوس طرح کسی اور تدبیر سے نہیں ہوتا اور اگر اطمینان قلب کے ساتھ نیک رویگی بھی نصیب ہو تو اسوقت آرام و چین کی کچھ حد ہی باقی نہیں رہتی۔  
 مہابھارت میں لکھا ہے کہ جو شخص اپنا دل اپنے قابو میں رکھتا ہو اور وہ شخص کہ جو اپنے دل پر قابو نہ رکھتا ہو تو اون دونوں کو جنگل میں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ یہ تو ظاہر ہے کہ جس شخص کا دل اوس کے قابو میں نہ ہو گا وہ جہاں رہے گا اوس کے لئے وہی مکان جنگل بن جاویگا۔“

جو شخص اپنا دل خوش رکھ سکتا ہے اوس کے مانند کوئی دوسرا شخص خوش نصیب نہیں ہو سکتا ہوئی تھی اس کتاب ہے کہ جو نیک مزاج ہوتے ہیں وہی لائق شخص ہوتے ہیں اور جو لائق ہوتے ہیں وہی نیک مزاج ہی ہوتے ہیں۔ اور نیک آدمی ہی خوش نصیب کہلائی جاسکتے ہیں۔  
 مگر جس شخص کو اپنی نیک چلنی اور دوسروں کی حاجت براری کا خیال نہیں ہوتا اوس کو دنیاوی چین و آرام کبھی حاصل نہیں ہو سکتا۔ انسان کو چاہئے کہ اپنے دل جہلائی کے لئے عمدہ خیال پیدا کرے۔ اور گزشتہ باتوں کا رنج و افسوس اپنے دل میں کبھی گزرنے نہ دے اور آئندہ جن باتوں سے پیشانی حاصل ہونے کا اوسکو اندیشہ ہو اون سے پرہیز اختیار کرے۔ جب انسان اپنا برا خیال دور کر دیگا اور اپنی خواہشات پر قابو اور

اختیار پائے گا اور اپنے عمدہ خیالات کو روز بروز ترقی دیکھا تو اس میں شک نہیں کہ وہ اس طریقہ سے عمدہ طور پر زندگی بسر کرے گا۔ انسان کو خود غور اور خوض کرنا چاہیے کہ اس کو اپنے دل میں کس قسم کے مفید خیالات پیدا کرنے چاہئیں۔ انسان کے ڈھنگ اور وضع اس کے خیالات کے موافق ہمیشہ بدلتے رہتے ہیں۔ اس لئے کہا جاتا ہے کہ بری باتوں اور برے خیالات کو اپنے ذہن نشین کر کے انسان کو اون کی طرف نہ مائل ہونا چاہئے۔  
 رسکین کا قول ہے کہ ”گدلا پانی رفتہ رفتہ خود بخود صاف ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کا مکدر اور غبار آلود دل بھی صاف کرنے سے صاف نہیں ہو سکتا۔ اس کی صفائی اگر مقصود ہو تو اس کو روکنا اور ٹھیرانا چاہئے اور جب خاطر جمع ہو جائے تو پھر اس کو اس طرح مکدر اور غلیظ نہ کرنا چاہئے کہ جسطرح پانی کو اوس میں مٹی اور پتھر پینک کر غلیظ کیا کرتے ہیں“  
 سقراط کا قول ہے کہ ”غیر منصفی کی سراموت یا زد و کوب نہیں ہو سکتی۔ ایک بار غیر منصفی کرنے سے جو پھر روز بروز غیر منصفی ہی کی ضرورت داعی ہوتی رہتی ہے بس یہی اس کی ٹیک سزا ہو سکتی ہے۔“ سقراط جیسے لایق اور نیک مزاج آدمی دنیا میں بہت کم ہونگے۔  
 زینوفان<sup>۳۹</sup> سقراط کی نسبت کہتا ہے کہ ”یہ ایسا خدا ترس تھا کہ اس نے خلاف حکم خدا کی کوئی کام نہیں کیا وہ اتنا منصف مزاج تھا کہ بہت چوٹی باتوں میں بھی کہی کہ اس نے سچ نہیں دیا بلکہ جن جن آدمیوں کو اس سے ملاقات کرنے کا اتفاق ہوا ہے ان کو اس نے مشکل کی وقت مدد دی ہے اس کا چال چلن ایسا تھا کہ اس نے نیک باتوں کو چھوڑ کر عیش و آرام کا پچا نہیں کیا وہ اتنا لایق تھا کہ ہلائی اور برائی کی تمیز میں اس کو

کبھی بھول اور چوک نہیں ہوئی۔ اور نہ اسکو کبھی کسی سے صلاح لینے کی ضرورت پڑی تھی۔  
وہ مشکل مشکل سوالوں کا جواب دینے میں اور دوسروں کو سمجھانے میں بہت ہوشیار تھا۔  
ویسے ہی دوسروں کے امتحان کرنے اور ان کی غلطی بتلانے میں اور انکو نیک طریقہ  
اور بزرگی کا راستہ سمجھانے میں بھی وہ بہت تیز اور چالاک تھا۔ حقیقت میں وہ بہت  
لائق آدمی تھا۔ اگر کسی کو میرا قول درست نہ معلوم ہو تو وہ سقراط کے طریقہ کا دوسرے  
لوگوں کے طریقہ سے مقابلہ کر کے خود تصفیہ کر سکتا ہے۔“

مارکس آری لی اس نے اٹھنی اس کی نسبت لکھا ہے کہ اس کے سب کام عمدہ اور پختہ  
تھے اور اس کا عقیدہ بھی درست تھا وہ غریبوں اور امیروں کو ایک نظر سے دیکھتا تھا  
وہ اعلیٰ درجہ کا خوش اخلاق تھا اسکو فضول تعریف سے نفرت تھی اور اسکو کل علوم و فنون  
حاصل کرنے کی بجد کوشش تھی۔ بغیر سمجھے بوجھے اور جانچے پرتالے وہ کوئی بات زبان  
سے نہیں نکالتا تھا۔ جو شخص ناظمی سے اسکو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے تھے ان پر  
وہ کسی قسم کا الزام نہیں رکھتا تھا۔ وہ کسی کام میں عجلت نہیں کرتا تھا۔ وہ لگائی بجائی  
سے سخت متنفر تھا۔ اسکو ہمیشہ عمدہ چال چلن اور نیک رویگی کی تلاش رہتی تھی۔ وہ  
کسی کی شان میں اپنی زبان سے ناشائستہ الفاظ نہیں نکالتا تھا۔ وہ ہرگز جڑ دلا یا  
شکلی اور خلاف تہذیب پیرایہ سے عیب کرنا والا نہ تھا۔ خور و نوش۔ پوشاک اور آسائش  
اور نوکروں اور چاکروں کی نسبت اسکو زیادہ ہوس نہ تھی وہ بڑا محنتی اور نہایت  
بردار شخص تھا۔ وہ کھانے پینے میں جدا اعتدال سے تجاوز نہیں کرتا تھا۔ اور دوستوں

کا بڑا رفیق تھا۔ مجلس مناظرہ میں اپنے مخالفوں کی سخت کلامی اور ترش روئی سے  
 اوسکو کبھی کسی طرح کا رنج نہیں ہوتا تھا۔ اگر کوئی اوسکو نادرا اور نئی بات بتلاتا تھا تو  
 وہ اوسکا نہایت ممنون ہوتا تھا۔ وہ ہرگز باطل اعتقاد شخص نہیں تھا بلکہ راسخ الاعتقاد  
 کے ساتھ اپنے مذہب کا پابند تھا۔ اگر تم اسکی طرح شہرت عام اور بقاے دوام کی عزت  
 حاصل کرنا چاہتے ہو تو تمکو بھی اسی کا طرز زندگی اختیار کرنی چاہئے۔“

اس طرح پر اگر تمکو طمانیت قلب حاصل ہو جائے تو سمجھنا چاہئے کہ تمکو دنیا جہان کی نعمت ملگئی  
 ایک جگہ اپنی کٹیٹیس بنی نوع انسان سے سوال کرتا ہے کہ تمکو معلوم ہے کہ دنیا میں  
 اعلیٰ درجہ کا انعام کیا ہے۔ وہ انصاف اور لیاقت ہے اگر یہ بھی حاصل ہو جائے تو اس سے  
 بڑھ کر کوئی انعام ہو سکتا ہے جب تو کسی اکھاڑے میں لڑ کر کشتی جیت لیتا ہے اور تیرے  
 سر پر دستار فخر و عزت باندھی جاتی ہے تو تو اوسوقت اپنے دل میں خیال کرتا ہے کہ مجھکو بہت  
 بڑا انعام ملا اور میری بہت عزت و توقیر کی گئی۔ پس تمکو کیا درکنا چاہئے کہ دنیا میں نیکنامی  
 سے بڑھ کر اور کوئی انعام نہیں ہے۔“ دنیا کی نیکنامی کوئی معمولی چیز نہیں ہے مگر اسکا حصول  
 بالکل انسان کے اختیار میں ہے۔

## باب سوم

### کتابوں کی قدر و منزلت

ننانہ موجودہ میں جس کتاب کی خواہش ہوتی ہے وہ بڑی آسانی کے ساتھ پڑھنے کے

لئے دستیاب ہو سکتی ہے۔ ہکو خدا کا بید منون ہونا چاہئے کہ اُسے ہمارے لئے حصول علم کے ذرائع اس قدر سہل اور آسان کر دے کہ ہر ریچھڑ بھری نے <sup>۱۸۴۷ء</sup> <sup>۱۸۴۷ء</sup> عین علمی مسرت کی نسبت ایک کتاب لکھی ہو اور عین اُس نے کتابوں کی قدر و منزلت بیان کی ہو وہ کتاب کہ کتاب یہی ہماری استاد ہو وہ ہکو بغیر تادیب اور زرد کو کبے تعلیم دیتی ہے وہ سختی سے پیش نہیں آتی کبھی غصہ نہیں کرتی اور ہم سے حق تعلیم نہیں طلب کرتی۔ تم اگر اُس کے پاس جاؤ تو کبھی وہ تمکو نیند میں سوتے ہوئے یا غافل نہیں نظر آئیگی۔ کسی سبکدوش کو سوچتے وقت اگر تم اس سے سوال کرو تو وہ کبھی نخل نہیں کرتی اور سکا کہنا تمہاری سمجھ میں نہ آئے تو وہ ناخوش نہیں ہوتی۔ اگر تمہاری فہم میں قصور ہو تو وہ تمہارا کبھی مضحکہ نہیں اڑاتی۔ اس لئے ہر علم و فن کی کتابوں کا ذخیرہ اس دنیا میں تمام دولت سے بڑھ کر قابل قدر ہے۔ جیسا لطف اور مزہ دولت علم سے حاصل ہوتا ہے ویسا اور دوسری باتوں سے نہیں حاصل ہوتا۔ جس کی کو راستی۔ آرام۔ لیاقت اور اعتقاد حاصل کرنے کی خواہش ہو اس کو چاہئے کہ کتابوں کے مطالعہ فرض سمجھے۔ جس زمانہ میں کہ کتابوں کی اس قدر افراط نہیں تھی تو جب بھی اونکی اس قدر عظمت اور قدر تھی کہ جب کا کچھ بیان نہیں۔ اب موجودہ زمانہ میں تو اونکی اور بھی قدر و عظمت ہو جی چاہئے۔

جن لوگوں کو کتب بینی کا شوق ہوتا ہے وہ ہمیشہ کتابوں کو اپنے سچے اور وفادار دوست کے مانند سمجھتے ہیں۔ پیڑا رک کہتا ہے کہ دوستوں کی صحبت سے مجھ کو بہت راحت ملتی ہے میرے دوست کل زمانوں اور تمام ملکوں سے تعلق رکھنے والے ہیں۔

اونہوں نے شاہی درباروں میں اور معمولی شہروں میں اور بڑے بڑے مقامات میں  
 ناموری حاصل کی ہے۔ اور انکی علمی لیاقت کی بہت ہی تعریف ہوئی ہے۔ انکے پاس  
 آسانی سے جب چاہوں میں جاسکتا ہوں وہ میرے کام میں ہمیشہ مستعد رہتے ہیں انکو  
 اپنے ساتھ رکھنا یا نہ رکھنا خود میرے اختیار میں ہوتا ہے وہ کبھی مجھکو تکلیف نہیں دیتے  
 اور میں جو اون سے سوال کرتا ہوں وہ اوسی وقت جواب دیتے ہیں۔ یہ میرے دوست  
 مجھ سے کچھ تو زمانہ گذشتہ کی نقلیں بیان کرتے ہیں اور کچھ مختلف زمانوں کے دلچسپ  
 حالات سناتے ہیں اور یہ بھی سکھلاتے ہیں کہ عمر کس طرح بسر کرنی چاہئے۔ اور کچھ اپنی  
 خوش طبعی سے میری فکر دُور کرتے ہیں۔ کس قدر میری ہمت بند ہواتے ہیں اور دل کو قابو  
 میں رکھنے اور تمام کاروبار کے بوجھ کو اپنے سر پر اوٹھانے کا شوق اور رغبت دلاتے  
 ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ وہ کل علوم و فنون اور انواع و اقسام کے راستہ کشادہ کرتے ہیں۔  
 میں اگر اپنی اوس لیاقت پر اعتماد اور ہروسہ کر کے چلوں کہ جو مجھکو انکی فیض صحبت سے  
 حاصل ہوئی ہے تو بلاشبہ ہر ایک مشکل سے نجات مل سکتی ہے اور اس احسان کی معاوضہ  
 میں وہ اپنے آرام کیواسطے فقط میرے چوٹے سے مکان کا کونایا ایک حجرہ مانگتے  
 ہیں۔ اسلئے کہ میرے ان دوستوں کو تنہائی میں آرام ملتا ہے اور مجمع میں پریشانی ہوتی ہے  
 بیٹرو کا قول ہے کہ جو کتابوں سے محبت کرتے ہیں اونکو دوستوں ناصحوں خوش طبع لوگوں  
 اور خاطر تسلی کرنے والوں کی کمی نہیں ہوتی۔ مطالعہ سے اور مشق سے اور غور کرنے  
 سے ہر وقت اور ہر حالت میں ہر کیواٹھنے اپنا دل بہلانا اور خوش کرنا ممکن ہے۔

سودی کا قول ہے کہ دنیا میں آج تک جس قدر صنف گزرے ہیں اور انکی صحبت میں میں اپنے اوقات گزارتا ہوں جدہ ہوں نظر اٹھانا ہوں و دہر بزرگوں کے عمدہ عمدہ کام مجھے نظر آتے ہیں وہ میرے سب طرح سے مدد کر نیوالے دوست ہیں ہر روز ان سے مجھے کلمہ و کلام کا اتفاق ہوتا ہے۔“

اکیں کہتا ہے کہ فرض کرو کہ دنیا میں آج تک جو لایق اور بزرگ گزرے ہیں اگر انکو کسی دلچسپ سبکٹ بیان کرنے کی واسطے ہم بلا سکتے ہیں تو یہ ہمارا کتنا بڑا درجہ اور کتنی بڑی قسمت ہے اور یہ اختیار و اقتدار ہمواد سوقت حاصل ہوتا ہے کہ جب ہمارے پاس عمدہ کتب خانہ جمع ہو۔ ہم کچھ جوفان<sup>۲۹</sup>۔ سیرز۔ سعدی اور نظامی وغیرہ سے اور انکی زبانیں اور انکے کلام سن سکتے ہیں۔ دیکھا تھنس۔ سقراط۔ اور افلاطون کی گفتگو ہمارے کان میں آتی ہے اور اقلیدس اور نیوٹن کے سوالات حساب ہم حل کر سکتے ہیں۔ اسی طرح عروس تقریر کہ جو زیور صنایع و بدائع سے آراستہ و پیراستہ ہے اور وہ لایق لوگوں کے منتخب خیالات کی صورت میں کتابوں کے ذریعہ سے ہمارے سامنے آتی ہے۔“

جرمی کالیر کہتا ہے کہ کتاب میں ہمواد شباب میں عمدہ راہ بتلاتی ہیں ضعیفی میں ہمارا دل بہلاتی ہیں۔ فکر و تردد کی حالت میں ہمارا اطمینان کرتی ہیں اور ہمواد لاسادیتی ہیں۔ اگر ہم ملول اور پشیمردہ خاطر ہوں تو وہ ہمارے غم کو غلط کرتی ہیں اور کسب طبع ہمواد زیست سے بیزار نہیں ہونے دیتیں۔ انسان کی دنیوی مصیبت بہلا دیتی ہیں فکر و دور کرتی ہیں غصہ کو ٹنڈا کرتی ہیں۔ ناامیدی دور کرنے کی کوشش کرتی ہیں جب ہم زندہ آدمیوں سے

تنگ آجاتے ہیں تو وہ گزرے ہوئے آدمیوں سے ملاقات کر کر چکواں تھا درجہ محفوظ کراتی ہیں۔ ان کو ہم سے کبھی غور نہیں ہوتا اور بغض عداوت کی وجہ سے کوئی بات ہم سے پوشیدہ نہیں کرتیں۔ ”معمولی کتابیں ہی کس قدر خوشی اور انبساط کا باعث ہوتی ہیں۔ چنانچہ انکی نسبت سرجان ہرشل نے ایک عمدہ نقل لکھی ہے وہ لکھتے ہیں کہ ”ایک گانوں میں ایک لوہا اپنی ہڈی پٹھیکر پیچر ڈسن کا ناول اپنے ارد گرد کے بیٹھے ہوئے لوگوں کو باوازی بلند پڑھ کر سناتا تھا باوجودیکہ وہ ناول بہت بڑا تھا تاہم سننے والے اسکو بہت شوق و ذوق سے سنتے تھے۔ آخر کو اس ناول میں جب ہیرو اور ہیروئن کی ملاقات ہو نیکی بعد شادی کی ٹیسری ہے تو اس وقت اون سننے والوں نے کمال خوشی کے ساتھ دڑک دڑک کر جا کا دروازہ کھولا اور زور سے گھنٹا بجایا۔“

لی ہانٹ کتا ہے کہ جسکو کتب کے مطالعہ کا شوق ہوتا ہے اس کے دل مختلف کتابوں کے پڑھنے سے مختلف اثر ہو کرتے ہیں۔ مطالعہ سے بعض وقت وہ خوف زدہ ہو جاتا ہے۔ بعض وقت خیالات میں محو ہو جاتا ہے۔ کبھی جنگوں کی سیر کرتا ہے اور کبھی ملکوں ملکوں پھرتا ہے۔ کبھی کسی سے دوستی پیدا کرتا ہے۔ کبھی بڑے بڑے سیاہوں کے ساتھ ہمسفر ہوتا ہے۔ کبھی کسی کے ساتھ گہرے بیٹھے بیٹھے اچھی طرح وقت صرف کر دیتا ہے۔ کسی کے ساتھ کام کرتا ہے۔ کسی پر رحم کرتا ہے۔ کسی کا یار و فادار ہوتا ہے۔ کسی کا یار عکسارت بنا ہے۔“

کال لائل کا قول ہے کہ ”کتب خانہ گویا ایک بہت بڑی یونیورسٹی ہے۔“

کتابین جکے خواب و خیال میں بھی نہیں آئیں۔ اون لوگوں نے بھی کتابوں کی عظمت تسلیم کی ہے۔ نارس ایک قوم ہے اسکا قول ہے کہ ”حرفون میں عجیب اثر ہے“ اہل علم و لایق لوگوں کا ایک روز بیوقوفون کی تمام عمر کی برابر ہے۔ اہل عرب کا مقولہ ہے کہ ”جس سیاہی سے کتابیں لکھی ہوئی ہیں وہ سیاہی اپنے مذہب کے واسطے جان دین والوں کے خون سے بھی زیادہ قیمتی اور قابل قدر ہے۔“ کان فوشی اس اپنی نسبت لکھتا ہے کہ ”میں یاقوت پیدا کرنے کی فکر میں کھانا پینا بھول گیا تھا۔ پھر یاقوت پیدا کر لینے کے بعد جو مجھے خوشی حاصل ہوئی اُسکے باعث میں اپنا رنج بھول گیا اور ضعیفی کے آنے کی جھجک بالکل خبر بھی نہ رہی۔“

جب زمانہ جاہلیت کے دنوں میں بھی کتابوں کی استقدار عظمت اور وقعت تھی تو ہم پر بالفعل کتابوں کے جس قدر احسانات ہیں اونکا ہلکا کچھ شکریہ نہ ادا کرنا چاہئے۔ اگر سچ پوچھو تو کتابوں کی تعریف بیان کر نیکے لئے ہماری زبان قاصر ہے۔ باوجودیکہ ہم انیسویں صدی میں پیدا ہوئے ہیں۔ تاہم ہمکو اپنی خوش قسمتی پر ناز کرنا چاہئے کہ ہم بہت جلد دنیا میں آئے۔ اگر اس زمانہ کی کتابوں کی قدر و منزلت دیکھ کر کسی کو کتب بینی کی خواہش ہو تو وہ قابل لحاظ نہیں ہے۔ سو سال پیشتر کتابیں بہت گران قیمت تھیں اور اسکاٹ۔ تھیکر۔ ڈیکنس۔ کی مین اور ٹراٹوپ کے دلچسپ اور لطف خیز ناول بھی تصنیف نہیں ہوئے تھے۔ زمانہ موجودہ میں ڈارون کی ذات سے علم سائنس کو جس قدر ترقی اور رونق ہوئی ہے وہ قابل بیان ہے۔ ریٹن کتا ہے کہ زمانہ موجودہ نہایت لطف خیز ہے

اگر دراصل دیکھا جائے تو زمانہ موجودہ کی حالت اوس سے بھی بڑھ رہی ہے کیونکہ ہمارے  
خوش قسمتی سے وہ زمانہ نصیب ہوا ہے کہ ہم اپنے اسلاف اور اخلاف سے بھی زیادہ  
محفوظ اور مطمئن ہو کر حصول علم کی طرف متوجہ ہو سکتے ہیں۔“

جس گہرین کتابین نہیں ہیں اوسکی مثال <sup>۶۲</sup>تیسیر فی جسم بیجان کی دی ہے اور کہا ہے کہ  
شوق ہونیکے لئے ہکوانواع واقسام کی ریاضت حاصل کرنے کی ضرورت نہیں مطالعہ کے  
یعنی نہیں ہیں کہ علم کا شوق ہو۔ فریڈرک ہیرسین کا قول ہے کہ معمولی نظم و نشر کی کتابین  
پڑھنے سے انسان کے خیالات میں ترقی ہوتی ہے۔ اگر اس قسم کی کتابین پڑھ لیجائیں  
تو کافی ہیں۔ کیونکہ وہ ہمارے روزمرہ کے کاروبار میں مدد دیتی ہیں۔ لارڈ میکالے <sup>۶۵</sup>  
کو کچھ کمی نہیں تھی۔ حکومت۔ دولت۔ لیاقت۔ ناموری وغیرہ سب کچھ اوسکو حاصل  
تھی۔ مگر کتابوں کے مطالعہ سے اوسکو جتنی خوشی ہوتی تھی ویسی کسی اور چیز سے نہیں  
ہوتی تھی۔ سر جان ٹریویلین نے میکالے کی سوانح عمری میں لکھا ہے کہ زمانہ گذشتہ کے  
بڑے بڑے لایق لوگوں کی سوانح عمری سے موجودہ زمانہ کے لایق لوگوں کی عظمت اور  
وقت خوب طرح ذہن نشین ہوتی ہے۔“

یہ بات قابل لحاظ ہے کہ استبازی تلاش کرنے کی ہمارے اونہوں نے کیسی سیدھی اور عمدہ  
راہ بتلائی اور کس خوبصورتی سے ہمارے بڑے اور خراب خیالات کو اونہوں نے تبدیل  
کیا اور ضرورت کیوقت اونہوں نے ہماری کیسی مدد کی۔ بیماری میں تیمارداری کسطرح کی  
اور کیسی اور بے بسی کیوقت ہمارا کیسا ساتھ دیا۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ کتابین بعتیا

اپنی محبت و الفت کے مثل قدیم اور پرانے دوستوں کے کبھی نہیں ملتیں۔ ہم خواہ تو نگری کی حالت میں ہوں یا مفلسی کی۔ یا ہم افلاس سے نکل کر عروج پر ہوں اور یا کسی گوشہ عزت اور نکبت میں پڑے ہوں۔ کتابوں کی محبت و الفت ہم سے ہمیشہ کیسا رہتی ہے۔ یہ میکالے کا بیان ہے۔ میکالے نے اپنی قلم کے زور سے بہت سی دولت اور عزت پیدا کی۔ لیکن دوسرے مصنفوں کی تصنیفات دیکھنے سے اوسکو جسطہ خوشی اور خط حاصل ہوتا تھا۔ اوس قدر خود اپنی تصنیفات سے وہ مخطوطات نہیں ہوتا تھا۔ مثلاً جسطہ اسٹرن<sup>۶۵</sup>۔ فیلڈنگ<sup>۶۶</sup>۔ ہریس<sup>۶۷</sup>۔ وال پول<sup>۶۸</sup> اور جان سن<sup>۶۹</sup> کی صحبت سے اوسکو خوشی حاصل ہوتی تھی اُس قدر شہر لندن میں کسی آدمی کی صحبت سے نہیں ہوتی تھی گی بن<sup>۷۰</sup> کا بیان ہے کہ اگر مجھے کوئی کل ہندوستان کی دولت دینا چاہے تو بھی میں اپنے مطالعہ کا ذوق و شوق کسی دوسرے کو دینا پسند نہیں کروں گا۔“

میکالے کی زندگی کا جسطہ حصہ آرام سے گزرا ہے اوسکا بڑا جز و کتب بینی تھا۔ فور کا<sup>۷۱</sup> کا قول ہے کہ جو لوگ کثرت سے تواریخ وغیرہ کا مطالعہ کرتے ہیں وہ بہ لحاظ عقل و ذاتی معلومات پیرانا بنجاتے ہیں مگر بال سفید نہیں ہوتے اور نہ رخساروں پر جھریاں پڑتی ہیں۔ اگرچہ انکی عزت و عظمت عمر رسیدہ لوگوں کے مانند کیجاتی ہے۔ مگر سن لوگوں کی طرح وہ نحیف اور ناتوان نہیں ہوتے۔“

کتابیں بیشک اتنی دلچسپ ہیں کہ اون کے مطالعہ کے شوق سے ہم اپنے دوسرے امور ضروری جو ہم پر فرض ہیں بولجاتے ہیں اونکو نہ بولنا چاہئے اپنے دل کو اس ترقی

کے حصول میں پھنسا کے حفظِ صحت کی دولت کی طرف کم توجہ نہ کرنا چاہئے۔ جسکو مطالعہ کا شوق ہے اوسکو ورزش ایک نئے ضرورت چیز معلوم ہوتی ہے اکثر لوگوں کو جب اسکا شوق ہو جاتا ہے تو جین گری کی طرح اُن کی حالت ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ اوسکے قریب اگرچہ بہت سا غل و شور مچتا رہا ہنگامہ بپا ہوا۔ قرنا اور طبل کی دل دہلائے والی آوازیں بلند ہوئیں اور تماشا یون نے بیچ چنیا اور چلا تا شروع کیا لیکن چونکہ وہ اسوقت ایک کتاب میں سقراط کی وہ دردناک حالت پڑھ رہی تھی کہ جسوقت اُس نے بلائے زندان میں جیل سے تنگ اگر بخوشی تمام زہر کا پیالہ نوش کیا تا جین گری اسکی مطالعہ میں ایسی محو تھی کہ اوسکو اپنے پاس کے غل اور شور کی ذرا خبر نہیں ہوئی۔ غرض یہ کہ اسی طرح اکثر لوگ جب مطالعہ کی طرف رجوع ہو جاتے ہیں تو کارِ ضروری اور ورزش کی طرف بالکل کم توجہ کرتے ہیں۔ لارڈ ڈوٹھمین نے سچ کہا ہے کہ جسے ورزش کرنے کے لئے فرصت نہیں ملتی اوسکو ایک نہ ایک دن بیمار پڑ کر مفت وقت ضائع کرنا پڑے گا۔

کتابوں کی جس قدر رازِ رانی اسوقت دیکھی جاتی ہے ایسی کبھی اس سے قبل نہیں تھی اور یہ ہی وجہ ہے کہ زمانہ موجودہ میں کتاب ہر ایک شخص کو دستیاب اور نصیب ہو سکتی ہے۔ آئرلینڈ نے اپنی عمدہ کتاب میں کہا ہے کہ ”مجھے خورد سالی میں سُل بورون کی نیچرل ہسٹری اسقدر پسند آئی کہ اپنے پاس رکھنے کی غرض سے اوسکی ایک کاپی میں نے اپنے ہاتھ سے لکھی مگر کہیں میسر نہ آئی۔“

میری لب نے ایک لڑکے کی نقل بڑی دلچسپ لکھی ہے وہ لکھتی ہے کہ اتفاق سے ایک روز

میں ایک کتب فروش کی دوکان کی طرف جانکلی۔ میں نے دیکھا کہ ایک نو عمر لڑکا دوکان پر آیا اور ایک کتاب کو بڑے شوق و ذوق سے کھول کر پڑھنے لگا۔ دوکان کے مالک نے پکار کر کہا کہ میان صاحب زادے تم ہمیشہ ایسے ہی کتابیں دیکھ کر چلے جاتے ہو کہہ دو کوئی کتاب خریدتے تو ہو نہیں۔ بس اب یہاں کتب بینی کو معاف رکھئے یہ سنکر لڑکا آزدہ ہوا اور دوکان سے نکلا اور یہ کہتا ہوا چلا گیا کہ کاش مجھ کو کوئی پڑھنا نہ سکنا تا اگر میں جاہل ہوتا تو آج اس بڑے کی کتاب کو ہاتھ لگا کر یہ باتیں سننے کی نوبت نہ آتی۔“ اگر ممکن ہو تو علم کا مزہ اور لطف رفتہ رفتہ ٹوٹنا چاہئے۔ اکثر مطالعہ کر نیوالے ایک ہی سبکٹ کو یکساں پڑھتے رہتے ہیں۔ اس لئے نئے نئے مضمون کے مطالعہ اور انکی خوبیوں سے محروم رہ جاتے ہیں۔ بہت سے لوگ سفر میں اپنی ساتھی صفحہ ایک ہی کتاب رکھتے ہیں اور اگر وہ ناول اور افسانہ کی طرح دلچسپ نہیں ہوتی تو گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں دیکھنے والے کو اس سے نفرت ہو جاتی ہے۔ سفر میں چاہئے کہ دو تین کتابیں اپنے ساتھ رکھیں اور وہ سب دلچسپ ہونی چاہئیں۔ اگر ایک کتاب دیکھتے دیکھتے طبیعت اکتا جائے تو دوسری کتاب دیکھنی شروع کر دے۔ اور اس طرح پڑھنا وقت خوشی سے گزار دے۔

اس صورت میں اگر ہر کتاب شروع سے آخر تک نہ پڑھی جائیگی تب بھی غیر ترتیب مطالعہ میں جتنی کتابیں نظر سے گزر نیگی اس سے ہر ایک سبکٹ کے مضمون کا ہلکا فائدہ ہوگا ہر ایک کتاب کا مطالعہ ابتدا سے شروع کرنا چاہئے۔ پہلے خود بخود دوسری کتاب میں شوق

و ذوق سے مطالعہ کر سکیں گے۔ بہت سی کتابیں فقط مطالعہ سے کارآمد نہیں ہوتیں اور جب تک اونکو غور و تامل سے نہ پڑھا جائے اور وقت تک اون سے کوئی نفع مترتب نہیں ہوتا۔ مگر ایسی کتابیں بہت تھوڑی ہوتی ہیں۔ بعض کتابوں کو جلد جلد پڑھ کے فقط اونہیں جو عمدہ باتیں ہیں اونہیں پر غور کر لینا کافی ہوتا ہے۔ مگر ایسی کتابوں سے بھی اور بہت سی دوسری کتابیں مطالعہ میں آجانیسے زیادہ فائدہ ہوتا ہے۔ کتابوں کے کل مضامین پر غور کرنا اور اونکو التزام کے ساتھ یاد رکھنا ضرور نہیں ہے مطالعہ کتب کی نسبت بروہمس کا یہ قول قابل لحاظ اولیٰ عمل ہے کہ جس مضمون کی کتاب سے وابستگی پیدا ہو اول اسکا لحاظ رکھنا چاہئے۔ اسلئے کہ یہ عام قاعدہ ہو کہ جس کتاب کے مطالعہ میں اپنا دل نہیں بہلتا اس سے کچھ فائدہ بھی نہیں ہوتا۔ ہر ایک علوم و فنون کی کتابیں اس افراط اور کثرت سے موجود ہیں کہ انسان کو جس علم یا جس فن کا شوق یا مذاق ہو اسی علم یا فن کی کتاب اسکو دستیاب ہو سکتی ہے۔ اور وہ اس کے مطالعہ سے ہر طرح کا نفع حاصل کر سکتا ہے۔“

کتب خانے ایک بے انتہاد دولت سے بہرے ہوئے ہیں۔ چوٹے سے چوٹا کتب خانہ بھی بڑے سے بڑے خزانے سے بڑا ہے۔ اسکا ادنیٰ نفع یہ ہے کہ اسکی امداد سے اپنے مکان میں بیٹھ کر ہم دنیا کی سیر و سیاحت کر سکتے ہیں۔ کپتان کوک۔ اور ڈاروین اور کینگ لی اور رسکین کے ساتھ ہم کل دنیا میں سفر کر سکتے ہیں اور ہمکو جو جو حیرت افزا چیزیں اثناء سفر میں نظر آتی ہیں اون سے بھی بڑا حیرت اور تعجب خیز چیزیں

اون کے ذریعہ سے معلوم ہو سکتی ہیں۔ کتابوں کی امداد سے دنیا کی حد کے باہر ہم سیر کر سکتے ہیں۔ ہیمبولٹ اور ہرنشل کے ساتھ آفتاب اور ستاروں کی حد سے باہر بھی ہم نامعلوم طبقات کی سیر کر سکتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے لئے آسمان وغیرہ کی کوئی حد حائل نہیں رہیگی۔ ابتدا سے پیدائش سے دنیا کے آج تک کے حالات اور آج سے قیامت تک کے حالات ہم کو پورے پورے معلوم ہو سکتے ہیں۔ بغیر ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے جس ڈھنگ اور جن خیالات سے ہم کو آگاہی ممکن نہیں ان کے حصول کا قاعدہ ارسطاطالیس اور افلاطون سے ہم کو معلوم ہو سکتا ہے۔

تسکین اور اطمینان آرام اور خوشی جو چاہو ہم کو کتب خانہ میں مل سکتی ہے۔ <sup>۸۳</sup>میں تیسوس کوتا ہے کہ جو لوگ اپنی دولت سے تمتع حاصل کرنا چاہیں اول ان کے پاس اس خزانہ کو کھولنے کے لئے غور اور فکر کی گنجی ہونی چاہئے۔ ”کتب خانہ کو اندر کا دربار کھٹے تو بجا ہے اور عشرت کہہ کھٹے تو درست ہو۔ اور اس سے بڑھ کر اگر کتب خانہ کو آفات زمانہ سے پناہ دینے والا برج۔ دریا کی آندھی اور طوفان سے محفوظ رکھنے والا جہاز کھٹے تو کچھ بیجا نہوگا۔ کتب خانہ سے بادشاہ اور فقیر دونوں کو یکساں فائدہ حاصل ہوتا ہے کیونکہ اسکے نزدیک دولت مند اور متمول لوگوں کو مفلس اور نادار لوگوں پر کسی قسم کی ترجیح نہیں ہے اگر کتب خانہ کا استعمال سمجھ بوجھ کر کیا جاوے تو اس میں شک نہیں کہ وہ دنیا میں ہمارے لئے بہشت اور باغ ارم کا کام دے سکتا ہے اگرچہ مشہور تو یہ ہے کہ آدم اور حوا نے اسی باغ کے پہل چکنے کی بدولت جنت کی لازوال خوشیوں سے ہاتھ دھوئے

تھے۔ لیکن ہکمو ان ہی پہلون کے چکھنے اور کھانے کی پورے طور پر آزادی حاصل ہے۔ کتب خانوں میں بڑے بڑے بادشاہوں سے ملاقات مسرت بار سفر وں میں اولوالعزم مسافروں کا ساتھ دلیر دلیر بہادروں کی لڑائیوں میں شرکت استاد فن شاعروں میں شعر خوانی کا فخر اور اعزاز بے مشقت حاصل ہوتا ہے۔ اور مشہور پولیٹیکل لوگوں شعر و فضلہ اور طرح طرح کے لیاقت مندوں سے ملاقات اور بڑے بڑے عقلمندوں کی خیالات سے واقفیت حاصل کرنے کا موقع ملتا ہے۔ اور اس سے ناز کنیالیوں۔ دقیقہ خیزیوں اور سخن فہمیوں کا استفادہ حاصل کر سکتے ہیں۔

## باب چہام

### کتابوں کا انتخاب

جہاں کہیں کتابیں کثرت سے ہوتی ہیں وہاں ہکمو یہ شش و پنج کرنا پڑتا ہے کہ کون کتاب مطالعہ کے لئے انتخاب کیجائے۔ ہماری زبان میں اس وقت کثرت کے ساتھ اس قسم کی کتابیں موجود ہیں کہ جنہیں شعر کی ناز کنیالیان اور شاہان سلف کے جاہ و چشم اور اون کے دربار کا حال بہادروں اور دلیروں کی بہادری اور دلیری کے کارنامہ نہایت فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں۔ لیکن کم درجہ کے تعلیم یافتہ اور معمولی لیاقت کے لوگوں کے دیکھنے کے لئے مختلف مضامین کی سہل اور آسان کتابوں کا مدد ہونا ہمارے ملک کے لحاظ سے زیادہ ضرور ہے۔ ہکمو اپنی بدقسمتی پر افسوس کرنا چاہیے

کہ ہمارے ملک میں اس قسم کی کتابیں ابھی بہت کم تصنیف تالیف ہوئی ہیں۔ لیکن زبانہ کی موجودہ زقار کو دیکھتے ہوئے خیال کیا جاتا ہے کہ چند روز کے بعد زبان اردو میں نئی تصانیف اور تالیف کا ذخیرہ کثرت کے ساتھ فراہم ہو جائیگا۔ جسکی کہ ہلکا سوت شد ضرورت ہے اگر یہ کہا جائے کہ ہم لوگوں کو مطالعہ کتب کا شوق کم ہے تو شاید بیجا نہ ہوگا۔ پھر اس پر کتابوں کا ذخیرہ بھی بالکل کم ہے اس لئے اردو مرہٹی یاد و سری زبان جاننے والوں کو معلومات وسیع حاصل کرنے کا موقع نصیب نہیں ہوتا۔ مکتبوں اور اسکول کے بچوں کو اردو وغیرہ کی معمولی تعلیم ہوتی ہے اس لئے انکی محدود تعلیم کا اثر نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ امن میں اپنی بات کی پیچ یا سخن پروری اور جہالت و حماقت اور اس قبیل کی بہت سی اخلاقی برائیاں جاگزین ہو جاتی ہیں۔ جنکا دفع ہونا کچھ آسان کام نہیں ہوتا۔

مشکل یہ آپڑی ہے کہ اس پر بھی بہت سے لوگوں کا یہ خیال جا ہوا ہے کہ ہم بہت بڑے عالم اور فاضل ہیں۔ اس قسم کی جہالت بلاشبہ ملک کی فلاح و بہبود کو کیا بلکہ انسان کو ہر طرح مفرت رسان کہی جاسکتی ہے۔

کالیڈاس کا قول ہے کہ ہر ایک بات اپنی قدامت کی وجہ سے عمدہ اور نئی بات اپنی جدت کے باعث بری نہیں ہوتی۔ ”کم فہم لوگ دوسرے کی راے پر چلتے ہیں۔ جو لایق ہیں وہ نئی بات ہو یا قدیم اسکو سوچ سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ کالیڈاس کا قول کے موافق ہر سبکٹ پر غور و خوض کر کے اور دوسروں کی راے پر بہر و سانکر کے اپنی نیک راے سے اسکو سوچ سمجھ کر اس میں خود اپنی راے قائم کرنا اپنی ترقی کا کچھ کم سامان نہیں

ہے۔ یہ بات جب قدر کتابوں کے مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہے اس میں کچھ سرفراز نہیں ہے۔ ایک قسم کی متعدد کتابوں کے مطالعہ کرنے سے کچھ زیادہ فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہاں البتہ اگر مختلف مضامین کی کتابیں مطالعہ کی جائیں تو بیشک اون سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہونے کی امید ہو سکتی ہے۔

جو کچھ کتابیں کہ فی زمانہ رائج ہیں انہیں کے مطالعہ پر کثافت کرنا ضرور نہیں ہے اور اسی لئے کہا جاسکتا ہے کہ اس زمانہ میں جو جو انگریزی۔ فارسی۔ اردو۔ عربی اور مرہٹی کتابیں بہم پہنچ سکتی ہیں انکا مطالعہ کرنا ہر ایک علم دوست اور شائق علوم کے لئے نہایت مفید اور کارآمد ہے۔

اہل اسلام اور ہندوؤں کا صد ہا سال سے خلا ہے بالفعل وہ ایک دوسرے سے ملے ہوئے ہیں۔ اہل اسلام نے ہندوؤں پر کیا بلکہ اور بہت سی قوموں پر فتیاب ہو کے اونکا طرز اختیار کیا ہے اور اونکی صحبت سے ہندو اور دوسرے لوگوں کی سیاستی اور سوشل اور مذہبی خیالوں میں بنسبت سابق کے بہت کچھ فرق ہو گیا ہے اگر اب یہ لوگ اپنی ترقی میں امداد نہ کریں تو اونکو بہت مشکل پیش آئیوالی ہے۔ مسلمانوں کی اصلی مذہبی کتاب قرآن پاک ہے اسکی ابتدائی تاریخ سے غیر مذہبی لوگ عام طور پر بہت کم واقف ہونگے۔ قرآن شریف کا خلاصہ اور ترجمہ ہماری ہر ایک دیسی زبان میں نہونا بڑی شرم کی بات ہے۔ غور کرو کہ اسوقت جو ہم پر عیسائی حکمرانی کر رہے ہیں وہ اپنی مذہبی ترقی میں کیسی جانفشانی اور محنت سے رات دن مصروف ہیں۔

اگرچہ انہوں نے عمد نامہ عتیق اور جدید کا ترجمہ کر کے تمہارے روبرو پیش کیا ہے۔ مگر اس ترجمہ کو پڑھ کر اوسکے مطلب سے تو بڑے ہی لوگ واقفیت حاصل کر سکتے ہیں۔

سابق کے فلاسفوں میں <sup>۳۵</sup>ارسطا طالیس کی تحریر کل تحریروں سے اعلیٰ درجہ کی ہے۔ بالفضل جو یورپ میں علمی طریقہ جاری ہے گودہ اوسکا موجد تو نہیں کہا جاسکتا۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ اوسکا اول حاصل کرنیوالا شخص وہی ہے۔ اوسکے تعلیم کئے ہوئے اصول یورپ میں تعلیم یافتہ لوگوں کے دل پر اس قدر اثر کر گئے ہیں کہ گویا وہ اُن کے دلوں میں قدرتی طور پر پیدا ہوئے ہیں اور اُسکے ایجاد کئے ہوئے اصول بہت بنیظیر ہیں علیٰ ہذا القیاس۔ فلاطون کی لیاقت بھی بہت بڑھ رہی ہوئی ہے اوس نے جو جو نصیحتیں لکھی ہیں اور اللہ تعالیٰ کے وجود کی بحث اور انسان کی موت کے بعد کی حالت پر جو اسکی تحریریں موجود ہیں وہ ایسی موثر ہیں کہ بڑے بڑے لایق لوگ اُنکو دیکھ کر حیرت کرتے ہیں۔ اسکے علاوہ قدیم کے اور دوسرے مصنفین کی لیاقتیں بھی کچھ کم نہیں تھیں۔ چنانچہ زمی لوفن <sup>۳۹</sup>۔ مارکس اریلی اس <sup>۹</sup>۔ اپنی کے ٹی ٹس۔ ڈیکاس تینس۔ کی خاص خاص کتابوں کا مطالعہ کرنا اور اُنکے مطالب سے واقف ہونا ہر شخص کو ضرور ہے۔ اسی طرح کان فیوشی اس کی منتخب تحریر اور آسی لی اڈ۔ اسی لی اڈ۔ جیسے مشہور و معروف شاعروں کی دلچسپ کتابیں۔

فی زمانہ ہمارے ملک کے نوجوان لوگ کتابوں کی تصنیف و تالیف کی طرف بڑے زور و شور سے توجہ کر رہے ہیں جنکی مال اندیشی سے ہم کو امید ہے کہ اگر خدا نے چاہا تو بہت

ہی تھوڑے عرصہ میں مذکورہ بالا کتابوں کا ترجمہ شائقین کو ہمدست ہو سکے گا۔ اور  
اون کتابوں کا ذخیرہ ناظرین کی پُرشوق نظروں میں لطف انگیز ثابت ہوگا۔

ہم جو اوپر بیان کر چکے ہیں کہ ملکی زبان میں کتابیں بہت تھوڑی ہیں اس لئے اون  
کتابوں کی علیحدہ علیحدہ انتخاب کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔ مگر یہ بھی نہیں کہ ایسی کتابیں  
بالکل مفقود ہی ہوں۔ بلکہ اکثر مختلف کتابوں کی فہرست ہماری نظر سے گزری ہے اور  
ہر سال جو نئے ناول نظم یا شریں بکثرت مرتب ہوتی جاتے ہیں اور جو آج تک ہوئے ہیں انہیں  
سے بھی انتخاب کر نیکی ہو کہ بہت کچھ گنجائش ہے۔ یہ انتخاب کرنا ہمیشہ فقط کتاب کی عمدگی  
اور بُرائی پر ہی منحصر نہیں بلکہ پڑھنے والوں کے متاثر ہونے پر بھی موقوف ہے۔

مگر جس زبان میں کتابوں کا ذخیرہ زائد ہے اون کتابوں میں سے اُسی زبان کی لالیق  
لوگ انتخاب کر سکتے ہیں۔ اور یہ کہ وہ کس طریقہ سے انتخاب کرتے ہیں اوس سے واقف  
ہونا یہ بھی ایک قسم کی لیاقت ہے۔ اس لئے سر جان لیک نے اسکی نسبت جو کچھ لکھا ہے  
اگر ہم اوسکو اس موقع پر بیان کریں تو کچھ نازیبا نہ ہوگا۔ اور کتابوں کے انتخاب کی نسبت  
اوس نے اپنی کتاب میں جو کیفیت لکھی ہے اوسکا خلاصہ ذیل میں لکھا جاتا ہے۔

کتابوں کی نسبت پریکٹر کا قول ہے کہ اگر خوب غور کیا جاوے تو کل کتابیں چار ہی طاعت  
گزاری کے لئے خادمان اطاعت گزار کے موافق ہمیشہ مستعد ہیں مگر بصدق اس شعر کہ

|                              |                                       |
|------------------------------|---------------------------------------|
| ایک دل دو دلدار کسکا ہو رہون | دو طلبیوں میں بہلا بیمار کسکا ہو رہون |
|------------------------------|---------------------------------------|

اونکی کثرت سے یہ ممکن نہیں کہ اون کتابوں کو ہم اپنے مطالعہ میں لاوین۔

زمانہ سابق میں کتابیں بہت کیاب تھیں اور انکی قیمت بھی زائد تھی۔ ہمارے زمانہ گذشتہ کے بزرگوں کو کتابوں کا جمع کرنا نہایت مشکل نظر آتا تھا۔ جسکے عوض میں اب ہلکو کتابوں کا انتخاب کرنا وقت سے خالی نہیں ہے۔ اب ہلکو لازم ہے کہ بغیر تمام سوچیں کہ کونسی کتاب مطالعہ کریں اور کونسی نہیں ورنہ ایسا نہ ہو کہ جیسے یوپی سس کے ملاح کو نقد تیلین کے معاوضہ میں ہوا کی بہری ہوئی تیلیاں ہاتھ آئیں تھیں ویسے ہی ہماری بھی حالت نہ ہو کیونکہ ایسی بہت سی کتابیں ہیں کہ جنکے دیکھنے سے سوائے اپنی اوقات ضائع کرنی کے کوئی نتیجہ حاصل نہیں ہوتا۔

علمی کتابوں میں بھی فرق ہے بلکہ بعضی کتابوں کو کتاب کا نام دینا بھی غیر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس واسطے ایسی کتابوں کے مطالعہ سے ہم اپنے اصلی مقصود سے محروم رہتے ہیں۔ جن کتابوں کے مضامین بغیر فکر و تامل کے ہلکو معلوم نہیں ہوتے۔ اس لئے اونکا مطالعہ ہی نہیں کرتے۔ مگر ہم ہرگز یہ نہیں کہہ سکتے کہ کوشش کر نیکیے بعد بھی ہماری عقل اون کے سمجھنے کے لائق نہیں ہوگی۔

ڈاروین کی رائے ہے کہ جس علم کا تمکو شوق ہے اوسکی کتابوں کا تمکو مطالعہ کرنا چاہئے اور جس علم سے تمہاری طبیعت مناسب ہو۔ اوسکے حصول میں تمکو کوشش کرنی چاہئے۔ اگر درحقیقت دیکھا جائے تو کل زندگی کے کاروبار میں بھی یہی بات مناسب ہے۔

انگلینڈ میں علم کی کچھ ایسی ترقی ہو رہی ہے کہ رفتہ رفتہ دوکاندار کارگیر وغیرہ عالم ہو جائیں گے۔ چونکہ ہر روز کے کاروبار میں دوکاندار لوگوں کو دماغی محنت بہت کرنی پڑتی ہے اسلئے

اون کا دن تو کاروبار میں ختم ہو جاتا ہے۔ اب رہی شب وہ آرام میں گزرنی چاہئے مگر کاریگر یا مزدور کو ہر روزہ کاروبار سے جو وقت بچتا ہے وہ صرف اس قدر ہوتا ہے کہ اوس میں سستایا جائے۔ اور ایسا اتفاق ابھی تک نہیں ہوا ہے کہ کاروبار روزمرہ سے فارغ ہونے کے بعد مطالعہ کتب وغیرہ کے لئے بھی اونکو فرصت ملے۔ اسکی وجہ ظاہر ہے۔ مگر موجودہ زمانہ میں مزدور۔ کاریگروں کو اپنی صغر سنی کے زمانہ میں مدرسہ میں رکھ کر اپنا پیشہ اختیار کرنے کے زمانہ تک موجودہ زمانہ کی عمدہ تعلیم کے لئے فرصت اور موقع مل سکتا ہے۔

رسکین کہتا ہے کہ ہم جو مصیبت اٹھاتے ہیں اور آرام کو تلخ کرتے ہیں اس سے مجھکو بڑی حیرت ہوتی ہے اور جو چیز کہ ہم خود اپنے ہاتھ سے کھوتے ہیں اوس کی حیثیت مجھکو اوس سے بڑھ کر ہوتی ہے۔“

اگر اسی قول کو تسلیم کر لیا جائے کہ دوسروں کی غلطی اور دوسروں کی کم فہمی سے ہم کو مصیبت اٹھانی پڑتی ہے تو کیا خود ہماری غفلت اور ہماری چوک سے ہمارے بہت سے آرام نہیں مفقود ہوتے۔

سرجان ہشل کا قول ہے کہ اگر مجھکو اپنی تمام راحتوں اور سرت بخش اور اطمینان دہ خواہشوں کے مانگنے کی خدا سے نوبت آئے تو میں کتابوں کے مطالعہ کی توفیق اور اس کے شوق کے سوا اور کسی چیز کی خواہش نہیں کرونگا۔ اور اگر تمام چیزیں مجھے رُخ بدل لیں اور کل دنیا پلٹ جائے تو بھی میں اوسکی خس برابر پر دامنیں کرونگا۔ اور اس

مطالعہ کے شوق سے میرا مقصود ہرگز نہیں ہے کہ اپنے مذہبی طریقہ سے جو عاقبت کا ایک سیدھا راستہ ہے منحرف نہ ہوں یا اس کا درجہ کم سمجھوں۔ کتب بینی کا شوق فقط دنیوی نظر سے یا اس خیال سے مجھ کو نہیں ہے کہ اس کے ذریعہ سے خوشی و مسرت حاصل ہوتی ہے۔ اس سے بڑھ کر میں مطالعہ کتب کی تعریف اور کیا بیان کر سکتا ہوں مطالعہ کا شوق اور تحصیل علم کے ذرائع انسان کو اگر میسر ہوں اور وہ اپنے وقت عزیز کو خراب کتابوں کے دیکھنے میں ضائع نہ کرے تو ضرور ہر کہ اس کو راحت و آرام نصیب ہو۔

صرف کتابوں کا ذخیرہ جمع کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہو سکتا بلکہ اس کے پڑھنے اور سمجھنے کی لیاقت ہونی چاہئے۔ حیرت سے دیکھا گیا ہے کہ لوگ اس بات کی ذرا پروا نہیں کرتے کہ کون کتاب پڑھنی چاہئے اور کون نہیں۔ حالانکہ کتابیں تو کثرت سے ہیں لیکن ہماری کم قسمتی سے مطالعہ کے لئے ہموکافی وقت نہیں ملتا باوجود ایسی حالت کے اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ جو کتاب ہاتھ آتی ہو اس کو اوٹھا کر دیکھنا شروع کر دیتے ہیں۔ اور جب کبھی کسی دوست احباب کے ہاں ملنے جاتے ہیں تو جو کتاب میز پر نظر پڑتی ہے اسی سے دل بہلانے لگتے ہیں۔ ریلوے اسٹیشن پر کتب فروش کی دکان میں جس کتاب کا نام دلچسپ ہوتا ہے اس کو خرید لیتے ہیں اور بعض وقت تو فقط جلد کی خوبصورتی دیکھ کر ہی اس پر رعبہ جاتے ہیں۔ مطالعہ کے لئے کتابوں کا انتخاب کرنا کسی ایک آدمی کا کام نہیں ہوا سوائے ہم نے کتابوں کی فراست مرتبہ و پیش نہیں کی ہر کتابوں کا انتخاب کے لئے جب تک کوئی باعث نہ قائم ہو اس وقت تک ان کا انتخاب مشکل ہو لاتی اور ہوشیار لوگوں کو

کو چاہئے کہ وہ عمدہ عمدہ کتابوں کی فہرست مرتب کر کے عام طور پر لوگوں کو ان کے دیکھنے اور مطالعہ کرنے کی ترغیب دیں۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ کتابوں کے مطالعہ اور اون کے دیکھنے کے لئے کسی خاص فہرست کا مرتب ہونا کچھ ضرور نہیں ہے۔ بلکہ مطالعہ کرنیوالوں کی رائے پر اون کا انتخاب چھوڑ دینا بہتر ہے۔ ہم اس رائے سے اس لئے اختلاف ظاہر کرتے ہیں کہ جس شخص کو تیرنا نہ آتا ہو اس کو کبھی پانی میں کودنا نہ چاہئے۔ یہ جو ایک مثل مشہور چلی آتی ہے کہ جلا نیچے لئے لکڑی۔ پینے کے لئے شراب۔ اعتماد اور بہروسہ کے لئے دوست اور مطالعہ کے لئے کتاب۔ یہ سب کی سب پُرانی ہونی چاہئیں۔ ہر حالت میں صحیح نہیں ہے۔ فی الحال قلمی کتابیں زیادہ مفید اور نتیجہ خیز سمجھی جاتی ہیں۔ زمانہ قدیم کی تصنیف کی ہوئیں کتابیں اگرچہ کیسی ہی دلچسپ کیوں نہ ہوں لیکن پہر ہی اونسکے مقابلہ میں موجودہ زمانہ کی کتابیں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ مگر ہم نہیں کہہ سکتے کہ زمانہ قدیم کی کتابیں پرانی ہونے کی وجہ سے دلچسپ اور لایق شمار کے نہیں ہیں۔ جو کتابیں زمانہ ماضیہ سے اب تک ہر قلم کے لاکھوں انسانوں کو بالاتفاق ایک قسم کی تعلیم دیتی رہی ہیں اگرچہ وہ قابل سند نہ ہوں جب بھی وہ اس قابل ضرور ہیں کہ مطالعہ کی جائیں۔ گو پرانی کتابوں کے ذریعہ سے پوری لیاقت حاصل نہ ہو لیکن پہر بھی بعض ترجمہ بہت تعریف کے قابل ہوتے ہیں۔ جیسا کہ بائبل کا ترجمہ جو کہ زبان لاطینی سے انگریزی میں ہوا ہے بہت ہی قابل قدر ہے۔ سر جان ہسک کے مذکورہ اصول کے مطابق اگر کتابوں کا انتخاب کیا جائے تو کبھی

کسی شخص کو یہ کہنے کا موقع نہیں ملیگا کہ ہم غلطی کرتے ہیں۔ اگر ہمارے قسم کی عمدہ عمدہ کتابوں سے دلچسپی ہوگی تو دن کو محنت کر کے شب کو گہری نیند اور کام مطالعہ کرتے رہنے سے ہمارا دل بھی ہلکا۔ اور معلومات بھی حاصل ہوگی۔ اور یہ دوست (کتابیں) ہم سے کبھی بیزار نہیں ہوتیں اور ہماری اچھی اور بری حالت میں ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتیں انکی بے انتہا عنایت سے ہم ہمیشہ خداوند تعالیٰ کے نہایت ممنون اور مشکور رہتے ہیں۔

## باب پنجم

### عمدہ دوستوں کی صحبت

علم دوست اور شایقین کتب حضرات کتابوں کو اکثر دوستوں سے مثال دیتے ہیں کتاب کی نفع رسانی کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے دوست سے بہتر مثال اور کوئی نہیں نظر آتی۔ سقراط کا قول ہے کہ کوئی گھوڑا کوئی دولت اور کوئی عزت حاصل کرے لے محنت اٹھاتا ہے اور خوش ہوتا ہے۔ مگر میں اپنے دوست کتابوں کی صحبت سے بس قدر محفوظ اور سرور ہوتا ہوں اور قدر شاید تمام دنیا کے حاصل ہونے سے بھی نہیں ہو سکتا۔

جس شخص کے پاس دولت کثیر جمع ہوتی ہے اور اسکو اپنے مال و منال کا کچھ نہ کچھ اندازہ ضرور معلوم رہتا ہے۔ لیکن اگر دوست تھوڑے بھی ہوں تب بھی اسکو انکی کمی محسوس

نہیں ہوتی۔ اگر وہ کسی کے پوچھنے سے اپنی دوستوں کا شمار بھی کرنے بیٹھتا ہے تو  
 اوسکو انکی تعداد معلوم کرنے میں خود حیرت ہوتی ہے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جبکو اول  
 دوستوں کی فہرست میں شریک کیا جاتا ہے انکو اُس سے خارج کرنا پڑتا ہے۔ اگر کوئی اپنے  
 سرمایہ کا اپنے دوست سے مقابلہ کرنے بیٹھے تو دوست کی قیمت بدرجہا زائد ہوگی۔  
 ۶۳۔ سسر کا بیان ہے کہ کل چیزوں کی وقعت کی نسبت اکثر لوگوں کے مختلف خیال ہتے  
 ہیں مگر اپنے دوستوں کی قدر و منزلت کی نسبت انکی ایک ہی رائے ہے۔ جس کے  
 پاس بہت سی دولت و حکومت اور کل آرام کے ذریعہ ہوتے ہیں تو اس میں شک  
 نہیں کہ انکی وجہ سے اوسکی عزت و وقعت بڑھتی ہے۔ اس لئے ہم صرف کثیر کر کے  
 گھوڑے غلام باندیاں قیمتی لباس اور ظروف وغیرہ خریدتے ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ  
 ان چیزوں میں سب سے زیادہ وقعت بڑھانے والی اور ذلت گھٹانے والی چیز بے بہا  
 دوستوں کو ہم نہیں پیدا کر سکتے۔ یہ شخص بلا سکتا ہے کہ میرے پاس کس قدر گھوڑے اور  
 ہاتھی ہیں۔ لیکن یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ اوسکے دوستوں کی کس قدر شمار ہے۔ اگر ہم ایک  
 گھوڑا خریدنے جاتے ہیں تو اُسکو ہم بڑے غور اور فکر کے ساتھ اسکے ذاتی خصائل اور  
 عیوب وغیرہ دیکھتے ہیں مگر افسوس ہے کہ جس دوست کی صحبت پر ہماری زندگی کے کاروبار  
 کا مدار ہوتا ہے۔ بھلائی اور بُرائی کا حامل ہونا اوس پر منحصر ہوتا ہے اوسکا انتخاب  
 صرف اُکل اور قیاس سے کیا جاتا ہے۔

۶۶۔ ہیلمس کا قول ہے کہ جسوقت ہم کو جن آدمیوں کی ضرورت ہوتی ہے اوسوقت کے سوا

دوسرے وقت اونکی صحبت ہم کو ناگوار اور باعث تکلیف معلوم ہوتی ہے۔ یہ بات کچھ غلط نہیں۔ اسلئے ہمیشہ دوسروں کی صحبت کی خواہش کرنا نہایت غلطی کی علامت ہے۔ سڑی براؤن کا قول ہے کہ جو کم فہم لوگ اطمینان کے ساتھ تنہا نہیں رہ سکتے اتفاق وقت سے اگر اونکو دوسروں کی صحبت میسر نہ تو اونکو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا وہ قید خانہ میں مقید ہیں۔ مگر جو لوگ لایق اور عالی دماغ ہوتے ہیں اونکو تنہائی میں بھی وہی لطف ملتا ہے جو کسی جماعت میں انسانی میل جول سے ملا کرتا ہے اور وہ تنہائی کو بھی دوسرے لوگوں کی صحبت سے کم نہیں سمجھتے۔ جیسا کہ غالبؒ دہلوی کہتے ہیں ۵

ہے آدمی بجائے خود ایک محشر خیال | ہم انجن سمجھتے ہیں خلوت ہی کیون نہو  
 ایمرسنؒ کا قول صحیح نہیں ہے کہ ”دو آدمیوں کے جمع ہونے سے اونکی عزت و توقیر اور آزادی میں فرق آجاتا ہے۔“ پر ایک دوسری جگہ وہ کہتا ہے کہ جہاں باہم کئی آدمیوں کی صحبت ہوتی ہے وہاں ہر ایک شخص کی لیاقت کی جڑکٹ جاتی ہو اور لطف صحبت کرکرا ہو جاتا ہے۔ اسکا یہ قول بھی صحیح نہیں ہے۔ اگر اس قول کو صحیح مان بھی لیا جائے تو اس سے دوستی کا فائدہ اور نفع کچھ نہیں باقی رہتا بلکہ اسکا اثر دوستی کے خلاف یہ پایا جاتا ہے کہ نیک خصلتی سے دوستوونکی صحبت میں بہت کچھ نفع اور آرام نصیب ہوتا ہے اور رنگ صحبت خوب جتنا ہے اکثر تجربہ کار ایسا بیان کرتے ہیں کہ دوست کبھی دشمن بھی ہو جاتا ہو اور دشمن کبھی دوست بھی ہو جاتا ہے۔

اس لئے اس طرح کا خیال کر کے جو طریقہ لایق و مناسب ہو وہ استعمال کرنا چاہئے۔  
 پہلی بات تو خود سمجھ میں آسکتی ہے۔ مگر دوسری بات میں دور اندیشی اور دانشمندی  
 سے کام لینا ضرور ہے۔ بہت سے لوگ دوست کی صحبت سے دشمن کی صحبت اختیار  
 کرنے میں جدوجہد کرتے ہیں اور اسکی خوشی مناتے ہیں۔ فیثاغورث عام طور پر یہ  
 نصیحت کرتا ہے کہ زیادہ لوگوں سے دوستی مت کرو۔ مگر جب تک لایق آدمی کی دوستی  
 پیدا کرنے کی واسطے ہم آرزو مند ہیں اور وقت تک یہ نصیحت کچھ اثر پذیر نہیں ہو سکتی۔  
 اور درحقیقت اس دنیا میں ہماری بڑی سی سے لایق دوست تو بڑے ہونگے۔ اگر  
 ایک ہی چوٹا سا چوٹا دشمن ہو تو وہ ہماری ایذا رسانی کو بڑا قوی اور طاقتور ہے۔ ہر ایک  
 آدمی کی بہت سے لوگوں سے ملاقات ہوتی ہے وہ سب کے سب اپنی ذات سے بڑے  
 نہیں ہوتے قصداً ہلکو بڑائی کا راستہ نہیں بتلاتے۔ مگر چونکہ ان لوگوں کو اس کا خیال  
 ذرا نہیں ہوتا کہ ہم خود دوسروں سے جو باتیں کرتے ہیں وہ مناسب ہیں یا نہیں۔  
 اس لئے اکثر ایسا ہوتا ہے کہ وہ خود ہی خراب و خستہ ہوتے ہیں اور دوسروں کو  
 بھی اپنی صحبت سے فائدہ نہیں پہنچا سکتے۔ انکی گفتگو ہمیشہ بے سرو پا اور لغو و بیہودہ  
 ہوتی ہے۔ اگر تھوری سی محنت گوارا کر کے وہ لیاقت حاصل کر لیں تو اس میں شک نہیں  
 کہ انکی تقریر خوش آئند اور اثر پذیر ہو سکتی ہے۔ لیکن مشکل تو یہ ہے کہ وہ اسکی کچھ پروا  
 ہی نہیں کرتے۔ ہر ایک انسان میں کچھ نہ کچھ تعلیم حاصل کرنے کی قابلیت موجود رہتی ہے  
 اگر وہ اس کا خیال کرے تو ہر وقت تعلیم حاصل کر سکتا ہے اور اگر دوسرے لوگ اس کو

تعلیم و تربیت دینے میں نخل کرین تو اس سے اس طرح پر سوال کرنا چاہئے کہ اور کچھ نہیں تو نکات ہی معلوم ہو جائیں یا بطریق دوستی امداد طلب کرے اگر دوستوں اور ہم صحبت لوگوں سے اتنا ہی فائدہ نہ پہنچے تو سمجھو کہ انکی دوستی میں سوائے وقت ضائع کرنی کے اور کسی قسم کا فائدہ نہیں ہے۔ بلکہ انکی دوستی سے بتر ہے کہ ان سے کسی طرح کا ربط اور تعلق ہی نہ رکھا جائے ہم دوستوں کے انتخاب میں جس قدر لیاقت اور ہوشیاری سے کام لینگے اسی قدر ہم اپنی زندگی کو آرام و راحت کے ساتھ بسر کر سکیں گے۔ بڑے لوگوں کی دوستی اکثر انسان کو ذلیل اور ادنیٰ درجہ پر پہنچا کر رہتی ہے۔ اور اچھے لوگوں کی دوستی سے انسان کی ترقی ممکن ہے دوستوں سے خلق اور ادب کے ساتھ پیش آنا چاہئے۔ لیکن بلا سوچے سمجھے ہر ایک کو دوست خیال کر لینا عقل کے خلاف ہے۔ اکثر لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ وہ اپنے ہم سایہ ہم پیشہ ہم وطن اور ہم سفر لوگوں کو اپنا دوست خیال کرنے لگا کرتے ہیں اور آخر میں انکو پشیمان ہونا پڑا کرتا ہے۔ پلوٹارک کہتا ہے کہ جنگی دوستی کا اکثر دم بھرا جاتا ہے وہ دراصل محض اجنبی اور بیگانہ ہوتے ہیں دوست ہرگز نہیں ہوتے۔“

اصل دوست وہی ہے کہ جو مصیبت کے وقت ہمدردی کے ساتھ پیش آئے شیخ سعدیؒ نے سچ کہا ہے

دوست آن باشد کہ گیر دست دوست در پریشان حالی و در ماندگی

دشمن کو کبھی حقیر نہ سمجھنا چاہئے۔ دشمن کیسا ہی حقیر اور ذلیل کیون نہو اس سے ہمیشہ

نقصان عظیم ہو سچے کا خطرہ اور اندیشہ ہوتا ہے۔ جس طرح ہم دوسروں سے محبت کرتے ہیں اسی طرح دوسروں کے دل میں ہماری بھی محبت والفت پیدا ہو سکتی ہے۔ اس خیال کو کبھی نظر انداز نہ کرنا چاہئے۔ ناسمۃ کا بیان ہے کہ میں نے اکثر لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ یہ دنیا خود غرض اور احسان فراموش ہے۔ مگر یہ بات میرے تجربہ میں نہیں آئی شاید یہ میری خوش قسمتی ہوگی۔ لیکن جب غور اور خوض کر کے دیکھا جاتا ہے تو ہر ایک کے تجربہ میں ایسا ہی پایا جاتا ہے۔

ایئر سس کا قول ہے کہ اس دنیا میں ہم اگر چہ تنہا آئے ہیں اور تنہا ہی جائیں گے لیکن پہرہی اس میں رہتے رہتے ہلکے اپنے مذاق طبع کے موافق دوست مل جاتے ہیں۔ لوگوں کا یہ بیان خواب اور قصہ کہانی سے زیادہ کچھ وقعت نہیں رکھتا کہ ہلکے کسی دوست کے نہ ملنے سے آرزوہ خاطر نہ ہونا چاہئے۔ بلکہ یہ خیال کر کے کہ ہم سے محبت رکھنے والی روحمیں دوسری دنیا میں ہمارا انتظار کر رہی ہیں اطمینان اور تسلی دے لینی چاہئے۔ جس دوست کی ملاقات سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور دل کو فرحت حاصل ہو سکتی ہو اور جو اپنے رنج اور راحت کا شریک ہو سکتا ہو ایسے رفیق کا ماننا مفید شکل بھی نہیں بلکہ غیر ممکن ہے۔

مگر فقرہ مرقوم الصدر کا مضمون کہان تک قابل اعتبار ہے یہ نہیں معلوم ہوتا دوستوں کی صحبت سے اپنی عمر آرام اور خوشی میں گزرتی ہے۔ یہ بات بالکل صحیح ہے مگر اس پر پورے طور سے انحصار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ حقیقت میں اگر دیکھا جائے تو ہم اپنی ہی

ذات سے اپنے دوست یا دشمن ہیں۔

دنیا میں سچی دوستی کا وجود بہت ہی کم ہے اور متوسط درجہ کے لوگوں میں جو اس کا وجود تھوڑا بہت پایا جاتا ہے تو وہاں دیکھا جاتا ہے کہ وہ اسکی بدرجہ غایت عزت اور وقعت کرتے ہیں۔ ایک ہی شہر کے دو مساوی المرتبہ لوگوں میں اس قدر اتحاد اور ربط و ضبط نہیں ہوتا جیسا کہ دو مختلف شہروں کے مساوی المرتبہ لوگوں میں ہو سکتا ہے اس قول کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ بے کن نے یہ ویسے ہی نہیں لکھا ہوگا کیونکہ ایک دوسری جگہ وہی یہ بھی لکھتا ہے کہ ”دنیا بغیر دوست صادق کے جنگل پر خار سے کچھ کم نظر نہیں آتی۔ اور اوسمیں زندگی بسر کرنا بڑا ہی کٹھن معلوم ہوتا ہے اور زندگی بڑی تلخی سے کٹی ہے۔“ جب اپنی طبیعت اور خیال میں بڑے بڑے خیالات پیدا ہوتے ہیں تب طبیعت بہت ہی پریشان ہو جاتی ہے جب ہم اندھیرے میں اندھوں کی طرح کوئی راہ ٹولنا چاہتے ہیں اوسوقت دوست کی صحبت کی روشنی ہمکو عقل سلیم و اطمینان خاطر عطا کر کے راہ راست بتلاتی ہے۔ اور مصیبت کیوقت اوس سے دلوں دھارس رہتا ہے۔ لایق دوستوں سے گفتگو کا نتیجہ ہے کہ فہم و ادراک کو ترقی ہوتی ہے لیاقت کمال حاصل کرتی ہے پر جیسے دوست زیادہ لایق ہونگے ویسے ہی تمہاری نازک خیالی اور عالی دماغی بھی ترقی کرتی جائیگی۔ جو چیز تمکو بذات خود غور و فکر کرنے سے ایک روز میں حاصل نہیں ہو سکتی وہ دوست کے ساتھ مطالعہ اور گفتگو کرنے سے گھڑی بہر میں آسکتی ہو اور روز بروز لیاقت و قابلیت میں ترقی محسوس ہوتی جاتی ہے۔

دوست کے ساتھ گفتگو بیکار اور غلط مضامین پر نہ ہونا چاہئے۔ اے پی کے ٹیٹس اس کی نسبت اس طرح پند نصیحت کرتا ہے کہ ”دوستوں سے چلنے پر نہ کہانے پینے وغیرہ کے متعلق گفتگو نہ کرنی چاہئے اسی طرح وہ دوسروں کی بُرائی اور اپنی تعریف کو بھی منع کرتا ہے۔“

مارکش اری لی اس کا قول ہے کہ جس وقت تمکو اپنی طبیعت خوش کرنی منظور ہو اُس وقت تمکو چاہئے کہ اپنے ہم صحبت لوگوں کی عمدہ باتوں کا نقشہ اپنے ذہن میں کھینچ کر اوس سے دل ملاؤ۔ اور سبق حاصل کرو۔ یعنی کسی کی شیریں کلامی کسی کی چستی و بیا لاکھی اور کسی کا ادب اور لہجہ کسی کی فیاضی اور کسی کا خلق۔ ان باتوں کے تصور سے جس قدر خوشی اور خرمی حاصل ہو سکتی ہے ایسی کسی اور چیز سے نہیں ہو سکتی۔“

لیکن کوئی شخص اس نصیحت پل کرتا ہو انظر نہیں آتا۔ جنکو ہم اپنا دوست خیال کرتے ہیں ہم صرف انکی صورت اور شکل سے ہی واقف رہتے ہیں اور ان کے دلی حالات خیالات اور خوش خلقی اور نیک چلنی وغیرہ سے بالکل واقف نہیں ہوتے۔ جس سعی و کوشش سے ہم دوست کو پیدا کرتے ہیں اس طرح ہم اوسکی حفاظت میں سعی نہیں کرتے۔ پائل کا قول ہے کہ ”لوگ ایک دوسرے کے غیب میں جو باہم نیبت کیا کرتے ہیں اگر اوسکا حال اون پر کھلبائے تو دنیا میں دوستوں کا ملنا مشکل ہو جائے۔“ تم اگر ایک دفعہ بھی کسی کو دوست کہو تو اوسکو ہمیشہ خوش اور راضی رکھو اور ہمیشہ اوس سے میل ملاپ رکھو۔ دیکھو جس راستہ میں آمد و رفت نہیں ہوتی اُس

راستہ میں کانٹے اور گمانس وغیرہ اگرتی ہیں اور راستہ کا نام و نشان باقی بھی نہیں رہتا۔ علیٰ ہذا دوستی کا بھی یہی حال ہے۔ تھکولازم ہے کہ ہمیشہ اپنے دوست سے ملتے رہیں ورنہ تھوڑے ہی عرصہ میں دوستی کا نام و نشان باقی نہ رہیگا۔ آج اس سے تو کُل اوس سے۔ ایسی ہر جانی محبت سے کچھ فائدہ نہیں۔

جس بات میں کہ دوست کی ناخوشی ہو اوس سے اجتناب کرنا ضرور ہے۔ اور لازمی ہے اکثر لوگوں کو اپنے دوست کا ربط نابود ہونے تک اسکا خیال نہیں آتا ایک وقت دوست کی دشمنی کرنے کے بعد اگر اوسکی کتنی بھی عزت کیون نہ کیجائے سب بیکار ہے۔ انکس گورس کا بیان ہے کہ ”مردے کی تعظیم کیواسطے شاندار قبر بنانی گویا چوڑی اور پتھر میں بہت سارے پیارے لگان کر دینا ہے۔“

رسکین کا قول ہے کہ جو کوئی بیجاں درمیر ہوئے دوست کے جنازے کے پاس کھڑا ہو کر ہمیشہ کے لئے جدا ہو گیا اوس کی صحبت کا تصور کر کے اوس کی محبت کے خیال میں آنکھوں سے دریا بہا دینا آسان ہے مگر دوست کی نبض جو موقوف ہو گئی ہو اوسکی ایک حرکت عود نہیں کر سکتی۔ الغرض دوست نہیں میرا تا جب کو ان باتوں کا خیال ہے وہ اپنے دوست کو ہرگز رنج نہ لگے۔“

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ مرنے سے دوست کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ ۶۳ سرد کا قول ہے کہ ”دوست اگر دور و دراز بھی ہیں تو نزدیک ہیں۔ غریب بھی ہیں تو تو نگہیں کمزور بھی ہیں تو طاقتور ہیں اور مرے ہوئے بھی ہیں تو زندہ ہی ہیں۔“ یہ کلام شاید

اکثر لوگوں کو تعجب انگیز معلوم ہوگا۔ لیکن اگر یہ تعجب انگیز ہوگا بھی تو ظاہر بینوں کو ہوگا۔ میری نظروں میں تو سنی پی او اگر مر رہی ہے تو زندہ ہے اور ہمیشہ وہ ویسا ہی رہیگا۔ اسلئے کہ اسکی نیک باتیں مجھے بہت پسند آتی ہیں اور اسکی بزرگی اب تک میرے دل سے نابود نہیں ہوئی ہے۔ میری قسمت سے مجھے جو کچھ بزرگی حاصل ہوئی ہے وہ سنی پی او کے مقابل میں کچھ ہی نہیں ہے۔

اگر ہم اپنے دوستوں کی طرف التفات نہ کریں اور لائق منتخب دوست کی عنایت کا فائدہ اٹھانے کے قابل ہوں تو انکی صحبت کا نفع ہمکو ہمیشہ حاصل ہوتا رہیگا۔ وہ دور ہیں تو بھی گویا نزدیک ہی ہیں اور اگر وہ اس دنیا کو چھوڑ گئے ہیں تو بھی انکی نیک باتیں ہمکو ہمیشہ کے لئے فرحت بخش یادگار کے طور پر یاد رکھنے کے لئے کافی ہیں۔

## بائششم

### وقت کی قدر و منزلت

ہر طرح کا آرام اور ہر طرح کی راحت حاصل کرنی صرف وقت ہی پر منحصر ہے۔ دوست کی ملاقات۔ کتاب کا مطالعہ۔ صحبت کا فیض۔ سفر کا حصول منافع۔ گھر کی آرائش ان سب باتوں سے خطا اٹھانے کے لئے وقت ہی ہنو تو پہر کیا فائدہ۔ وقت کو روپیہ پیسہ سے نہیں بلکہ روح اور جان سے تعبیر کرنا مناسب ہوگا۔ جو لوگ وقت سے سی عزیزا لوجود چیز کو چھوڑ کر اور کسی ذرا پیسے اپنی جان بچانے کی از حد کوشش کرتے ہیں

ان کے نزدیک اپنی جان عزیز صرف کرنا کچھ بعید نہیں ہے۔ <sup>۹۳</sup> ڈینیٹی کا قول ہے کہ جو لوگ عاقل ہوتے ہیں اون کو مفت وقت رایگان جانے کا نہایت رنج ہوتا ہے۔ اسلئے فضول محنت و مشقت میں انسان کو اپنا وقت نہ صرف کرنا چاہئے۔ ہم اپنا وقت اگر نیک اور عام پسند کاموں میں یا دوست احباب کی ملاقات میں یا گھر کے لوگوں میں یا بڑے عالموں کی صحبت میں صرف کرینگے تو اس سے ہم کو کچھ نہ کچھ نتیجہ ضرور حاصل ہوگا۔ ورزشی کیل کیلنے سے جسم ندرست ہو کر اعضا مست نہیں ہونے پاتے۔ جسم میں چستی رہتی ہے۔ یہ کچھ کم فائدہ نہیں ہے۔ ہم کو حسب خواہش کام کرنے کے لئے وقت ہی نہیں ملتا اس طرح کہنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے۔ فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو ہم کسی کام کا ارادہ کرنے سے ہی وقت پیدا کر سکتے ہیں۔ کیونکہ جب کام کرنے کی خواہش پیدا ہوتی ہے تو وقت کی کچھ کمی نہیں ہوتی۔ ہم کچھ وقت آرام میں اور کچھ وقت کاہلی میں صرف کرتے ہیں۔ اس لحاظ سے آرام کی کچھ قدر نہیں ہے۔ جب ہم دیکھتے ہیں کہ آرام لینے سے ہی اپنی حسب خواہش کام کرنے کے لئے ہم میں شوق پیدا ہوتا ہے اسلئے اس آرام کی قدر کی گئی ہے۔

شک <sup>۹۴</sup> پیر کا قول ہے کہ ”وقت مختلف لوگوں کے ساتھ مختلف طریقہ سے گزرتا ہے۔ یعنی کسی کے ساتھ گویا چیل قدمی کے طور سے اور کسی کے ساتھ تیز روی سے اور کیسے ساتھ دوڑتے ہوئے اور کسی کے پاس بالکل خاموش کھڑا رہتا ہے۔“ اس لئے کہ وقت کا شمار گہری یا ساعت پر نہیں ہے۔ بلکہ اُس کے عمدہ استعمال پر منحصر ہے۔

جرمی ٹیلر کا قول ہے کہ ”اس دنیا میں کا ہون کی مانند اور کوئی دوسرا شخص مسرت نہیں ہے۔ اگر وقت اچھی جگہ استعمال کیا جائے تو اس میں شک نہیں کہ وہ بڑا بیش بہا ہے۔ وقت کا جو حصہ گزرتا ہی ہو وہ کسی طرح واپس نہیں آ سکتا۔“ کاہلی انسان کی جانی دشمن ہے اور کاہلی گویا انسان کے پہلو میں رہنے والا ایک دشمن ہے۔

سنجیدہ اور عقلمند لوگ انسان کو اس کی عمر کے لحاظ سے بزرگ نہیں خیال کیا کرتے بلکہ ان کے نزدیک ادن ہی لوگوں کی عظمت اور قدر و منزلت ہوتی ہے اور ادن ہی کی بزرگی قابل تسلیم ہوتی ہے کہ جو اپنی کم عمری میں جو انمردی کے کام کرتے ہیں یا ناموسی اور شہرت پیدا کرتے ہیں یا رفاہ عام کے کاموں میں دلچسپی لیتے ہیں یا بڑے بڑے علوم و فنون حاصل کر چکے ہیں اور کسی طرح اپنے وقت عزیز کو ضایع اور رائیگانہ نہیں جانے دیتے۔

۹۵  
منو کا بیان ہے کہ فقط بال سفید ہونے سے انسان کی بزرگی نہیں ہوتی۔ بلکہ جولایت ہیں وہ اگر کم عمر ہوں تو بھی وہ بزرگ خیال کئے جاتے ہیں۔ بقول سعدی علیہ الرحمہ ”بزرگی بعقلست نہ بسال۔“

۹۶  
ٹیلر کا قول ہے کہ عمر کے دن اگرچہ ویسے تو بہت ہیں مگر شمار میں آنے کے قابل تو بڑے ہی ہیں۔ یعنی وہ عمر کا حصہ کہ جس حصہ کو ہم اپنی عزیز عمر خیال کر سکتے ہیں اس قدر کم ہے کہ ہم اس کو انگلیوں پر شمار کرتے ہیں اگر اس دنیوی سفر میں انواع و اقسام کی بیویاں اپنے ہاتھ سے کئی بعد دیگرے ایسے جلد گزریں گے تو اپنی ترقی اور سچے خیال کے جو مضمون یا عمدہ چال چلن ہیں۔

یہ ہی عمر کے صحیح نتائج کو ملائے جائینگے۔ اس پر ہماری نظر ہمیشہ کس طرح رہیگی۔ فی الحقیقت اگر دیکھا جائے تو جو لوگ جو اہر ابدار کے مانند چمک کر دوسروں کو خوش اور مسرور کرتے ہیں۔ انہیں کا وجود غنیمت اور قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔ اس دنیا میں بے علم یا جانوروں کے مانند عمر کوٹنے سے انسان کا نہ پیدا ہونا ہی بہتر ہے۔ دنیا کی چیزیں جو ہمارے سامنے فنا ہوتی جاتی ہیں اون ہی پر اپنے آپ کو قیاس کر کے اگر انسان اپنی بنی نوع کی مدد کرے اور اوسکو دنیوی آفتوں سے بچانے کی کوشش کو مد نظر رکھے تو اوسکا وجود ایک نتیجہ بخش وجود تسلیم کیا جاسکتا ہے۔“

۹۶  
چشمہ غلط نے جو اپنے لڑکے کو نصیحت کی ہے وہ اگرچہ سب کی سب ہی قابل لحاظ ہے مگر وقت کی نسبت جو اوس نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے خاصکر وہ بہت ہی توجہ سے دیکھنے کے قابل ہے چنانچہ وہ لکھتا ہے کہ ”لے لڑکے جو وقت کہ تیرا بیکار جائیگا گویا تو اس وقت کے فائدہ دن سے محروم رہیگا۔ اور جتنا وقت کہ تو اچھے کاموں میں صرف نہ کر گیا گویا وہ تیرے لئے ایک بڑی منفعت کا بیوہ یا خیال کیا جائیگا۔ الغرض اس تھوڑی سی عمر میں ایک لحظہ کو بھی بیکار یا کاہلی میں گنوانے سے بڑھ کر کوئی دوسری نادانی اور حیرت انگیز حرکت نہیں ہو سکتی۔ بہر حال اپنی عمر کے ہر لحظہ کو اچھے کام میں استعمال کرنا چاہئے۔“

جس شخص کو کسی کام کرنے کا اچھا موقع مل گیا تو اوس کو اس سے درگزر کرنا اور موقع کو ہاتھ سے نہ دینا چاہئے کیونکہ مثل مشہور ہے کہ ”کیا وقت پر ہاتھ آتا نہیں۔“

ترک لوگوں میں مشہور ہے کہ شیطان ہمیشہ عاقل آدمیوں کی واسطے غفلت کا پردہ لئے

پہرتا ہے مگر مشکل سے وہ بعض وقت کامیاب ہوتا ہے۔ مگر برخلاف اُسکے سست  
کاہل لوگ خود ہی شیطان کو اپنی طرف کھینچ لیتے ہیں اور آپ اُسکے شریک ہو جاتے ہیں۔  
۹۷ ہی لڑٹو کا بیان ہے کہ ماہی گیر کے کانٹے کی طرح شیطان اپنے فریب کے کانٹے کو عقلمندوں  
کے پہانے کے لئے اوسمین الیچ و طمع کا اٹا لگائے پہرتا ہے اور قابو پا کر انکو پھانستا  
ہے اور پکڑ لیتا ہے۔ مگر جو کاہل ہیں وہ بغیر آٹے کے از خود کانٹے میں اپنا گلا بڑھا  
ور غبت دیکر اوسمین پھنس جاتے ہیں۔

۹۸ ٹوٹر کا قول ہے کہ کاہل آدمی ایک چکلی کے مانند ہے اور اوسکی بیوقوفی کی چکلی ہمیشہ  
گردش میں رہتی ہے۔ اگر اوسمین کوئی غلہ ڈال دین تو پسکڑا بنا جاتا ہے ورنہ خود ہی گوس کر  
گھٹ جاتی ہے۔ انسان فکر سے عاجز ہوتا ہے کام سے نہیں ہوتا۔  
۹۹ راجہ پترناری کا قول ہے کہ کام کے نسل کوئی دوسرا دوست نہیں ہے۔ اسلئے کہ اُس کے  
کرنے والے کو مصیبت کم پیش آتی ہے۔

دیکھو خوب خیال کرو جنگل میں جو پھول کھلتے ہیں اگر چہ اُنکے ساتھ محنت و مشقت نہیں  
کی جاتی اور نہ اونکو کوئی ہوتا ہے مگر وہ جیسا کچھ رنگ و روپ حاصل کرتے ہیں ویسا  
رنگ اور اُس قسم کی خوشنمائی شاید راجہ اندر کے لباس کو بھی نصیب نہیں ہوگی جب کہ  
ایسی چیزیں جو آج ہیں اور کل نہیں ہیں اور گمانس کو کہ جو آج خوشنما نظر آتا ہے اور کل  
جلانے کے کام آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی رنگت اور خوشبو عنایت فرمائی ہے انسان کو  
تو اسنے اشرف المخلوقات ہی بنایا ہے اور اسکو وہ جو کچھ نہ عنایت فرمائے وہ کم ہے۔

اے خاک کے پتلے جس خداوند کریم نے ہنس کا رنگ سفید اور طوطے کا رنگ سبز اور  
سور کا رنگ انواع و اقسام کا بنایا ہے اُس نے تیرے رزق کا بھی بندوبست کر دیا  
ہے یہ تو کیوں قناعت نہیں اختیار کرتا۔

بہائیو۔ تم کو کچھ نہ کچھ کام ضرور کرنا چاہئے۔ کیونکہ جنگل میں بیہوش کو بھی بغیر کام کے  
خوبصورتی نصیب نہیں ہوتی۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو نباتات ہی کچھ نہ کچھ محنت  
کرتے دکھائی دیتے ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی جڑیں سال آئندہ کی ابتدا ہونے والے  
پھول کا مادہ جمع کر کے رکھتے ہیں گواؤنکی یہ فکر ہمیں بظاہر معلوم نہیں ہوتی۔

ملتھن کا قول ہے کہ وقت کے پر لگے ہوئے ہیں اور وہ ہمیشہ اڑتا رہتا ہے اور ہمارے  
کار و بار سے بلا کم و کاست اپنے خالق برحق کو خبر دیتا ہے۔ ہم اگر ہزار عجیب و انکساری کریں  
تب بھی وہ کبھی نہیں پھرتا۔ جو وقت کہ ہم بیکاری میں کوٹتے ہیں وہ خدا کے پاس ہمارا  
نام سے خچ میں شریک ہوتا ہے۔ مفت میں وقت ضائع کرنے سے کیا حاصل۔ چاہئے  
یہ کہ اوسکو بغیر فائدہ لینے کے خالی نہ جانے دیں اور اوسکو ہرگز یہ موقع نہ دیں کہ وہ ہماری  
برائی کی خبریں اپنے مالک کے روبرو لیجائے۔ اگر یہ ہمارا وقت ہمارے نیک کام اور بہلی  
باتیں نے کے خدا کے پاس گیا اور اوس نے نیکی اور بدی کے حساب کے دن ہمارے نیک  
کاموں کی گواہی دی تو سوچو بناؤ کہ ہمارے برابر ہی کوئی خوش نصیب ہوگا۔“

کہتے ہیں کہ وقت بہاگتا ہے مگر وہ درحقیقت نہیں بہاگتا بلکہ ہم ہی اوسکو مفت ضائع اور  
بر باد کرتے ہیں۔ بہ نسبت اسکے کہ وقت کو مفت رایگان کیا جائے یہ بہتر ہے کہ وہ بہکو

میسر ہی نہو۔ <sup>۱۱</sup> رچرڈ دوم کا یہ قول نہایت ہی غور اور لحاظ کے قابل ہے کہ اب تک تو میں نے وقت کو مفت ضائع اور برباد کیا اور اب وقت مجھ کو ضائع اور برباد کرتا ہے۔

جرمی ٹیلر کا قول ہے کہ جو کوئی شخص اپنا وقت سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے وہ ضرور ان امور کا لحاظ رکھتا ہے کہ کس سے صحبت رکھنی چاہئے اور کس سے نہیں۔ اور کونسا فعل اختیاً کرنا چاہئے اور کونسا نہیں۔ اگر وہ اس کا خیال نہیں کرتا تو اس کا وقت مفت ضائع اور برباد ہوتا ہے اور بالآخر اس سے افعال قبیحہ سرزد ہونے لگتے ہیں۔ الحاصل دنیا میں اس کا وجود اور عدم برابر ہوتا ہے۔

فی زمانہ انسان کی عمر ستر برس قرار دی گئی ہے اس میں سے بہت تھوڑا سا حصہ ہوتا ہے کہ جو انسان کے کام آتا ہے۔ آرام۔ منانگی کاموں اور ورزش میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے اس کو اپنی تمام عمر میں سے وضع کر کے جو کچھ کہ زمانہ باقی رہتا ہے اس پر ہم اپنی آئندہ حالت کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

<sup>۱۲</sup> کلب کا قول ہے کہ ہم اپنی عمر میں سے جس قدر حصہ دوسروں کے کاموں میں صرفہ کرتے ہیں وہ ہماری عمر میں محسوب نہیں ہوتا۔ اگر ہم پیسے کے لیے بھی ہوں لیکن اس میں سے ہماری عمر کا اکثر حصہ رفاہ عام اور ملک کی فلاح میں صرف ہوا ہو تو سمجھنا چاہئے کہ ہم ابھی جوان ہیں اور جو وقت کے ذریعہ سے ہمارے اور دوسروں کو کچھ بھی فائدہ حاصل ہو تو اس کو وضع کرنا چاہئے۔ مگر ہماری قید ممتی سے وضع ہونے والا وقت بہت رہتا ہے۔

سنگ کا قول ہے کہ اکثر گھڑیاں عمر کی اپنے ہاتھ سے ضائع ہو جاتی ہیں اور اکثر چوری جاتی ہیں یا خود بخود چھوٹ جاتی ہیں۔ مگر وہ جب جاچکے ہیں تو پھر کسی طرح اون کا واپس آنا ممکن نہیں ہوتا۔“

سوئزر لینڈ کے ملک میں ایک لایق آدمی رہتا تھا اور اسکی سالانہ آمدنی ایک ہزار روپیہ کی تھی اور سین سے کسی قدر رقم کو وہ ایک چوٹے سے عجائب خانہ کے تیار کرنے میں صرف کرتا تھا اور اس سے ایک شخص نے پوچھا کہ تم کوئی نوکری کیوں نہیں کرتے اُس نے جواب دیا کہ مجھے جو وقت ملتا ہے وہ سونے اور چاندی سے بھی زیادہ قیمتی معلوم ہوتا ہے اس لئے میں اپنا ایک لمحہ بھی زر کے عوض میں خرچ نہ کروں گا۔

وقت خدا کی ایک بڑی نعمت ہے۔ اور ایک دن گویا زندگی کا ایک حصہ ہے۔ لندن جیسے بڑے شہر میں رہنے والوں کو کیا کیا محسوسات حاصل ہوتی ہیں۔ وہاں کو لوگ ہر قسم کا دنیوی فائدہ بیان تک کہ کتابی دوست کا فیض بھی حاصل کر سکتے ہیں۔ قومی تصاویر خانہ میں زمانہ ماضیہ کی اور رائل اکاڈمی وغیرہ کے دوسرے تصویر خانوں میں زمانہ حال کے بڑے بڑے مشہور مصوروں کی تیار کی ہوئی عمدہ عمدہ تصویریں دیکھی جاتی ہیں۔

وہاں کا عجائب خانہ اتنا بڑا ہے کہ اس کے پورے سیر کر نیکی شاید ہی کسی کو ثواب آتی ہوگی۔ اس عجائب خانہ میں دنیا کی ہر اشیاء موجود ہیں۔ یعنی زمانہ قدیم میں جو چیزیں پیدا ہو کر معدوم ہو گئی ہیں وہ بھی اور زمانہ حال میں جو عجیب چیزیں محفوظ ہیں وہ بھی زمین کے پوشیدہ عجیب غریب پرند پرند سپی سنگہ اور معدنی چیزیں بنیظیر جواہر شہاب

ثاقب کے ٹکڑے زمانہ ماضیہ کی عجائب چیزیں۔ انواع و اقسام کے انسان کے نمونے  
 کانچ و بلور کے ریزے اور چین کی عجیب و غریب چیزیں۔ اور ایجن میں جو سنگ مرمر  
 ملتا ہے وہ۔ موزیلیم اور ڈانیا کی معبد کی نشانیاں۔ مصر اور اسٹریا کے عجائبات اور  
 نوادرات۔ انگلستان کے قدیم اسلحہ۔ مشک کا ہرن اور سمیتھ جانور۔ یونانی  
 اور رومیوں کی صنعت کاری کے اعلیٰ اعلیٰ نمونے۔ علیٰ ہذا القیاس دنیا کی تمام حیرت انگیز  
 چیزیں اس عجائب خانہ میں رکھی ہوئی ملتی ہیں۔

انسان کو لازم ہے کہ رنج ہو یا راحت دونوں حالتوں میں متحمل اور صابر رہے اگرچہ  
 رنج کا ٹالنا اور راحت کا بڑھانا انسان کے قبضہ قدرت میں نہیں ہے۔ مگر بعض لوگ  
 مصیبت کے وقت اپنی زندگی سے تنگ آکر اس بات کی خواہش کرتے ہیں کہ ہکو  
 کسی طرح موت آجائے تو بہتر ہے۔ تاکہ اس موجودہ مصیبت سے ہم نجات پائیں اور  
 آخرت میں ہکو راحت ملے۔

سر جلیس کا بیان ہے کہ ”اے تو ایسا آرزو کیوں ہوتا ہے۔ دیکھ تو یہ پھول اسقدر  
 دلچسپ کیسے بنا ہے اور اس پر اتنا گہرا رنگ کس طرح چڑھا ہے۔ گلاب کے پھول کو خوشبو  
 کیسے آئی۔ اور سانپ کے دانت میں زہر کیسے جمع ہوا۔ کیا تجھے نظر نہیں آتا جنگلی کبوتر  
 خوشی سے کیسا اوڑھا ہے۔ اوسکو دیکھ۔ یہ تو ایسا آرزو کیوں ہوتا ہے۔ جب تک  
 آب و ہوا اور روشنی تجھے معلوم نہیں ہوگی تو جو چیز تو اپنی نظر سے دیکھتا ہے اسکی کیفیت  
 ہی تجھ کو اسوقت تک معلوم نہیں ہو سکیگی۔ مجھے تو اپنے دل کی بات بول۔ مجھے سمجھ لے

مجھے تو اپنے اختیار میں کر لے اور مجھے دعا لے۔ دیکھ تو دنیا تجھے کیسی نظر سے دیکھتی ہے تو اشرف المخلوقات کہلاتا ہے پر تو آزر دہ اور کاہل کیوں رہتا ہے۔ تہہ پتہ نہیں ہے۔ کچھ سیکھ۔ کچھ کر۔ اور کچھ سمجھ۔ خوش رہ اور اپنے رنج کا میرے ساتھ کبھی نام بھی مت لے۔“

## باب ہفتم

### سفر کی خوبیاں

اس زمانہ میں سفر بہت ہی آسان ہو گیا ہے۔ برخلاف اسکے زمانہ سابق میں سفر کرنا گویا موت کا مقابلہ کرنا تھا۔ مثل مشہور ہے کہ ”سفر صورت سقر ہے۔“ اکثر اہل یورپ کا قول ہے کہ سفر کرنا ہو تو تیسرا <sup>۳۲</sup> پلٹو۔ اور چوتھا <sup>۳۳</sup> تھاکو اس کی طرح پیادہ سفر کرنا چاہئے۔ بالفعل ریل کے ذریعہ سے سفر کرنا گویا دوڑتے ہوئے جانا ہے اس طرح سفر کرنے سے ہکو تو کچھ ہی نظر نہیں آتا۔ مگر یہ قصور ریل کا نہیں ہے۔ جس ملک کو ہمارے بزرگوں نے نہیں دیکھا تھا وہ ہم بڑے آرام کے ساتھ بہت جلد دیکھ سکتے ہیں یہ کچھ کم فائدہ نہیں ہے۔ ہر ملک کے محل طح کے جنگل بڑے بڑے پہاڑ فرحت بخش ندیاں تالاب میدان۔ شہر کین۔ قلعہ۔ معبد۔ مشہور تاریخی مقامات ہر ایک ملک کی دلچسپ و نمائش کی جگہ۔ ایلیس کے سے پہاڑ۔ اور نیڈرلینڈ جیسے دریا یورپ کے شہر اور اوسمیں کی عجیب و غریب نادریں یہ سب کچھ تو بڑے زمانہ

میں ہکو نظر آسکتی ہیں۔

جنکو فرصت اور قدرت ہے او کو ہرگز سفر کئے بغیر نہ رہنا چاہئے۔ جس ملک کی یہ کیجائے اچھی طرح کیجائے۔ سنکا کا قول ہے کہ جنکو سفر سے راحت ملنی کی خواہش ہو او کو سفر مرغوب ہونا چاہئے اور او کو سفر کی خوشی ہونی چاہئے۔

قدیم لوگوں کا قول ہے کہ بیوقوفوں کا سفر کرنا اور بٹکتے پہرنا برابر ہے۔ سفر اگر غور سے دیکھا جائے تو عقل مندوں ہی کا ہے۔ کیونکہ وہ اس سے تجربہ اور معلومات حاصل کر سکتے ہیں۔ بے کمن کا قول ہے کہ سیاح کو مفصلہ ذیل چیزوں کا دیکھنا ضرور ہے۔

ہر ایک ملک کے سفیروں کی ملاقات کا دربار۔ ہر ایک ملک کی عدالت۔ مذہبی مجلس معبد اور مٹھ۔ سادہ مسجدیں اور گنبد۔ شہر اور گائون کے حصار قلعے۔ جزیرے۔ جہاز کے انگر۔ مکانات قدیم و شکستہ۔ مدارس۔ کتب خانے۔ ٹاؤن ہال۔ مائیکورٹ۔ جنگی اور تجارتی جہاز۔ اور بڑے بڑے شہروں کے باغات اور فرحت گاہیں۔ کالج۔ تجارتی کارخانے۔ منڈیاں۔ گھوڑوں کے طویلے۔ میدان قواعد۔ عمدہ تھیٹر۔ جواہر خانے اور تو شک خانے عجائب خانے وغیرہ۔ الغرض وہ تمام چیزیں کہ جو عجائبات روزگار میں شمار ہوتی ہیں۔

مگر ان تمام چیزوں کے دیکھنے کے لئے وقت اور نظر بننا کی ضرورت ہے۔ اکثر تو ہم جب سفر کرتے ہیں تو ان باتوں کا ہکو خیال تک ہی نہیں ہوتا۔ اگر ہکو عرصہ تک ایک ہی مقام پر رہنے کا اتفاق ہو تو ہمارے لئے مندرجہ بالا ہایتوں پر عمل کرنا بہتر اور

مناسب ہوگا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہئے کہ سفر کی غرض ہمیشہ ایک ہی نہیں ہوا کرتی۔  
 مہینوں اور برسوں کی مصروفیت کے بعد جو ہم کو کسی مشغلہ سے چٹٹی ملتی ہے اور  
 اس وقت ہم ہوا خوری کے لئے کمین باہر نکلتے ہیں تو ایسے موقع پر اگر ہم کو نظر بنیاد  
 توڑی بہت عقل ہوگی تو ہم اس ہوا خوری کے آشنا میں صحت اور معلومات دونوں  
 ایک ہی ساتھ حاصل کر سکیں گے۔ ہم کیسی ہی تفصیل سے کسی جگہ کے حالات کیون  
 نہ پڑھیں اور کسی جگہ کا کیسا ہی وسیع نقشہ کیون نہ دیکھیں مگر اس سے ہرگز اس قدر  
 معلومات نہیں حاصل ہو سکتی جس قدر کہ ان مقامات کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کی  
 حالت میں حاصل ہو سکتی ہے۔ یہ بات کچھ مقامات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں ہے بلکہ  
 ہر شے کی یہی کیفیت ہے۔ وہ خواہ پہاڑ ہو یا قصر اور مسجد و خانقاہ وغیرہ ہر شے اور  
 ہر مقام کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا اس سے بہتر ہے کہ اس کی حالت کتاب میں پڑھی جائے  
 یا نقشہ میں دیکھی جائے۔ مثلاً پرند کی تصویر اگر ہم نے دیکھی ہے تو ہم اس کی کل حقیقتیں  
 اس کی تصویر دیکھ کر بیان کر سکیں گے۔ تصویر دیکھ کر اس کا یوں تصور کیا جائے گا کہ وہ  
 تصویر سے بڑا ہے اور رنگ و وضع وغیرہ بعینہ ایسی تو نہیں ہے اس سے ملتی جلتی  
 ہے۔ یہ سچ ہے کہ تصویر کے دیکھنے سے ہمارے ذہن میں اصل چیز کا خاکہ کچھ سکتا ہے۔  
 لیکن تصویر کا دیکھنا اصل چیز کے دیکھنے کے برابر کبھی نہیں ہو سکتا۔

بائبل کے عہد نامہ قدیم میں زمانہ گذشتہ کی طرز معاشرت وغیرہ کا جو نقشہ کہینا گیا ہے  
 ممالک ایشیائین ایک ہفتہ سفر کرنے سے وہ نقشہ ہماری آنکھوں میں اب بھی

پہر جاتا ہے یہی صورت تاریخ کے متعلق ہی پائی جاتی ہے۔ چنانچہ جو لوگ شہر ایتھنس اور روم میں رہتے ہیں انکو روم اور یونان کی تاریخ دیکھنے سے ایک خاص لطف حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ہی جن ممالک کی تاریخ پر جسکو جسقدر عبور ہوتا ہے اوس کو اس کی سیر میں اوسقدر لطف ملتا ہے۔

آشنائے سفر میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جن مقامات کا نقشہ ذہن میں موجود ہوتا ہے تو وہ نقشہ کے مطابق اترتے ہیں اور بعض اوسکے خلاف۔ تصویر اور نقشہ کے ذریعہ سے کسی شے اور کسی مقام کا پورا پورا خیال پیدا نہیں ہو سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ نقشہ اور تصویر سے کسی چیز کی اصل حالت کا پیش نظر کر دینا ناممکن ہوتا ہے۔ البتہ نقشہ اور تصویر کا دیکھنا اون لوگوں کے لئے مفید ثابت ہوتا ہے کہ جنکو سفر کے ذریعہ سے اصل چیزوں یا اصل مقامات کا دیکھنا اور اونکی سیر نصیب نہیں ہوتی۔ اور جو لوگ اصل مقامات اور اصل چیزوں کو دیکھ کر ادن کے نقشے یا اون کے محاش دیکھتے ہیں اون کو اون کے ذریعہ سے سیر کئے ہوئے مقامات اور دیکھی ہوئی چیزیں یاد آکر حد سے زیادہ خوشی اور سرت حاصل ہوتی ہے۔

جس دلکش دنیا میں ہم رہتے ہیں وہاں کے لوگوں اور مقامات سے ہمکو بہت ہی کم واقفیت ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں یہ ایک حیرت انگیز بات ہے۔

تاریخ نویس لو کہہ سکتا ہے کہ ایک مسافر کا بیان ہے کہ بھگوراجی نامی پہاڑ پر سفر کرنے کی وقت ایک ضعیف پادری کو دیکھ کر جو حیرت ہوئی وہ بیان سے باہر ہے۔ اوس پادری نے

مجھ کو متعجب دیکھ کر مجھے کہا کہ شاید مجھے اس جگہ دیکھ کے تم کو حیرت ہوئی ہوگی مگر حقیقت حال یہ ہے کہ کچھ دنوں پیشتر میں بہت بیمار ہو گیا تھا۔ میری نسبت حکیم کو بھی بالکل ناامیدی تھی۔ ایک دن مجھے نیند آئی خواب میں معلوم ہوا کہ میری زندگی کا پیمانہ لبریز ہو چکا ہے اتنے میں ایک فرشتہ میرے روبرو آکر اٹھ اٹھ گیا اور اس نے پوچھا کہ جس دلکش دنیا کو تو نے ابھی چھوڑا ہے اسکی تجھ کو کچھ خبر ہی ہے۔ فرشتہ کی گفتگو سن کے مجھے معلوم ہوا کہ میں جس دنیا میں آج تک دین کی نسبت نصیحت کرتا رہا مجھے اس دنیا کی کچھ بھی حقیقت معلوم نہیں ہے۔ پر میں نے اس وقت ارادہ کر لیا کہ اگر خدا نے مجھے صحت بخشی تو میں سفر کر کے اس کے متعلق معلومات حاصل کروں گا۔ چنانچہ جب مجھ کو صحت ہو گئی تو میں نے اس ارادہ کو پورا کرنے کا قصد کیا۔ اب جو تم مجھے بیان دیکھتے ہو تو میں اسی ارادہ کے پورا کرنے میں سرگرم ہوں۔“

جس پادری نے یہ طریقہ اختیار کیا تھا اس کے مثل تو دنیا میں بہت ہی کم لوگ ہونگے جن لوگوں کو اس قدر سیر و سیاحت کرنے کی قدرت نہ ہو تو ان کو کم سے کم اپنے وطن کے آس پاس کے ملکوں کی ہی سیر کر لینی چاہئے۔ کیونکہ اس قدر فرصت اور جہالت تو ہر ایک کو میسر ہو سکتی ہے۔

نقطہ تاریخی حالات دیکھنے اور پڑھنے سے وہ فائدہ نہیں ہو سکتا۔ جو سیاحت سے ہوتا ہے مگر جنہوں نے منطق کوئی سفر ہی نہ کیا ہوا ان کو تو ایسے پڑھنے اور دیکھنے سے بھی جو فائدہ حاصل ہوتا ہے وہ کچھ کم فائدہ نہیں ہے <sup>۱۰۵</sup> میں ڈال کا قول ہے کہ ”مفصلہ ذیل

کیفیت کا مطالعہ کرنا اور اپنا تھوڑا سا وقت الپس پیٹر پر صرف کرنا کیا دونوں مساوی نہیں؟ یہ وہی کہتا ہے کہ ہاں دونوں مساوی ہیں۔

میں نے الپس پیٹر کے حیرت انگیز سین دیکھ کر بلاگ کام میں اور دوسری ہزاروں چوٹے بڑے پیٹروں کی طرف نظر کی تو مجھے معلوم ہوا کہ انکی چوٹیاں گویا اپنا سر اٹھا کر آفتاب کی اون شعاعوں کو کہ جو صبح کی وقت نمودار ہوتی ہیں مبارکباد اور خیر مقدم کہہ رہی ہیں اوسکے بعد میں نے پیراؤن پر دوبارہ نظر ڈالی اور اپنے دل سے یہ سوال کیا کہ اتنی بڑی کاریگری کس نے صرف کی ہوگی اور زمین کے سطح پر ایسے انواع و اقسام کے بڑے بڑے پیٹر کس نے نصب کئے ہوں گے۔ یہ خیال ابھی میرے دل میں تھا کہ اوسکا جواب میری سمجھ میں یہ آیا کہ یہ کام اوس آفتاب کا ہے کہ جو ہمیشہ تیز اور با اثر رہتا ہے اس دنیا کے مثل ہزاروں دنیا بنانے کی قدرت رکھنے والا ہے۔ جس پانی کے ذریعہ سے یہ درے پیدا ہو گئے ہیں اوس پانی کو یہی ادھر ادھر لگایا ہوگا۔ اوس نے ہی پیٹروں کی چوٹیوں پر برف کا انبار لگایا ہوگا اور اپنی قدرت کا مدد صرف کر کے برف سے ہل کا کام لیا ہوگا اور یہی کاریگر اسی طرح اپنا کام جاری کرکے اوس بڑے پیٹروں کو نیست و نابود کر دیگا۔ اور اوسکو دریا میں بہا کر لے جائیگا۔ اور اوس پیٹروں کو آرمیوں کی آئندہ نسل سے آباد کر دیگا۔ اور پھر آئندہ ایک زمانہ کے بعد اوس جگہ سوائے میدان کے کچھ نہیں نظر آئے گا۔ اور جس زمین پر کہ اس وقت بفضل جنگفر سے پیٹر کا بوجہ ہے اوس پر پانچ کے کمیت لہماتے نظر آئیں گے۔ ندیوں

کی تاریخ آج تک کسی نے نہیں لکھی ہے۔ کل ندیاں سابق میں جس جگہ سے بہتی  
تین اوس جگہ سے اب نہیں بہتی ہیں۔ روہن ندی کے برابر بننے والی دوسری  
ندی نہیں ہے۔ یہ ندی اور ہول ملک کا سیلاب دونوں زمانہ سابق  
میں ڈیوب ندی کے ساتھ ملکر بحر اسود میں جا کر گرتے تھے۔ اگلے زمانہ میں دریائے  
رہاٹن اور ٹیمس دونوں ملکر اسکاٹ لینڈ اور ناروے میں کو گزرتے ہوئے بحر شمالی  
میں جا کر گرتے تھے اب تو بڑے عرصہ سے یہ دونوں دریائے بحیرہ روم میں گرنے لگے ہیں  
یہ تحقیق صحیح ہو یا غلط مگر اتنا پتہ تو ضرور لگتا ہے کہ جرمن کی رہاٹن اور سوئٹزر لینڈ کی  
رہاٹن میں کچھ فرق نہیں رہا۔ حال میں جو شانہ سین میں بڑا زلزلہ واقع ہوا اُس سے  
رہاٹن ندی کی شکل بالکل بد لگئی ہے۔ سنگین کا بیان ہے کہ ایک جگہ اس ندی  
کا پانی بند سی سے گرتا ہے اور اپنے گرنے کی جگہ کے قریب ہی بہت زور و شور سے  
بتتا ہے۔ شمالی کنارہ پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس مقام پر پانی  
کے موڑ سے ایک نہایت عمدہ کمان نکلی ہے وہ کمان کہیں شکستہ نہیں نظر آتی بعد  
اوس کے وہی پانی گرنے کے پیشتر کماندار چٹان کو کہ جو تیس فٹ دل کی ہے کالج کر گنبد  
کے مانند ڈھانپ دیتا ہے۔ یہ گنبد بننے والے پانی سے پہر از سر نو اس طرح کا بن جاتا ہے  
کہ نظر کام نہیں کرتی۔ اور یہ نہیں معلوم ہوتا کہ اوس میں کچھ حرکت ہوتی ہے یا نہیں۔ مان  
البتہ جو وقت کوہ شمال کہ میں آسمان سے باتیں کرتی ہوئی اوس پر سے تیر کے مانند  
گزرتی ہیں اوس وقت اوسکی صورت و شکل خیال میں آتی ہے اسکی چادر کا گرنا اور بلندی

سے گرنے کی آواز اور گر کر پانی کا فوارہ کے مانند اڑنا اور اوجھلنا اور اچھلتے  
وقت بڑی دھار کی ننھی ننھی بوندوں کا اوپر سے موتیوں کی طرح گرتے رہنا دیکھنے والے  
کو حیرت میں ڈالے بغیر نہیں رہتا۔

گذشتہ بیان کے مطالعہ سے ناظرین کو تجرہ روم کے کناروں کی خوبصورتی و دلاؤری  
اور ملک کے جنوبی اور شمالی حصہ کا باہمی فرق بخوبی معلوم ہو گیا ہوگا۔

اسی موڈس کا بیان ہو کہ اس ملک کے شمالی حصہ کی زمین کو اگر دیکھا جائے تو ہر چار طرف  
گہنی جھاڑی اور گنجان جھنڈ نظر آتے ہیں اور انہیں مین کو راستہ جاتا ہے کیونکہ مین  
صاف چٹیل میدان ہی دکھلائی دینے لگتا ہے جس میں کثرت سے سانبر چٹیل ہرن  
نیل گائیں اور جنگلی بنیسیں وغیرہ چرتی اور کھیلین کرتی نظر آتی ہیں۔ یہ گنجان درخت  
ایسے سنان اور ساکت ہیں کہ انسان کو وہاں نمید آ جاتی ہے۔ اس جنگل میں فقط  
زیتون ہی کے درخت نہیں ہیں بلکہ سری نیٹو کے قریب بہت بڑے بڑے صنوبر کے  
درخت بھی کھڑے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ انکے نیچے کھڑے ہو کر دیکھنے سے جزیرہ  
کو نظر آتا ہے۔ اور وہاں ایک مقام ہے جسکو وہی سودی اس کہتے ہیں۔  
نی پلیس کی ندی اگلے ارد گرد نظر آتی ہے۔ زیتون۔ نارنگی اور گلاب کے گنجان  
جنگل اس ندی کے کنارہ پر نظر آتے ہیں۔ اور وہاں سے اسے ری ام نامی جزیرہ  
اچھی طرح دکھلائی دیتا ہے۔

قاعدہ ہو کہ گرم ملک میں صبح کا وقت بہت ہی دلچسپ ہوتا ہے۔ والیس کا بیان ہے

کہ ”یہاں موسم گرما میں صبح کے پانچ بجے تک پورا اندھیرا رہتا ہے اور توڑی ہی دیر کے بعد شب کی حالت ختم ہو کر پرندوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں اور مشرق کی طرف صبح کے آثار نمود ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ اور ذرا دیر کے بعد چڑیوں کی آواز اور مینڈکوں کا شور و غل جنگلی پرندوں کا غوغا اور طح طرح کے جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگتی ہیں۔ سارے پانچ بجے آفتاب کی دہی دہی روشنی پھیل جاتی ہے اور آہستہ آہستہ ترقی کر کے پونے چھ بجے کے عمل میں اچھی طرح سے روشنی ہو جاتی ہے اور پانچ بجے تک یہی حالت قائم رہتی ہے۔ اور بعد اسکے ایک بیک مشرق کی طرف آفتاب کی شعاعیں نظر آنی شروع ہو جاتی ہیں۔ جن سے درختوں پر کی شبنم کی بوندیں ہیرے کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دینے لگتی ہیں اور سنہری روشنی اطراف عالم میں پسپا کر دیا کہ ہوشیار کر دیتی ہے اور سب کو اپنے کام کاج میں مصروف ہونے کی ترغیب دیتی ہے۔

طیور اپنی خوش الحانی کے ساتھ نواسنجی میں مشغول ہو کر درختوں کی شاخوں پر ادھر ادھر اڑتے ہوئے دکھائی دینے لگتے ہیں۔ بند چرخیں مارتے ہیں شہد کی مکھیاں پہولوں کی پکڑیوں میں اپنی بھنبھناہٹ شروع کر دیتی ہیں۔ اور چکنے والے کیڑے دن کی روشنی میں اپنے بازو کو مکر دھوپ کا لطف اٹھاتے ہیں۔ اس ملک میں طلوع آفتاب کا کچھ عجیب ہی دلکش سمان ہوتا ہے دنیا کی عام چھتریں شب کی خشکی سے تروتازہ ہو جاتی ہیں۔ درختوں کے پہولوں میں دیکھتے ہی دیکھتے شفتلی کے آثار نمود

ہو جاتے ہیں۔ اور نو دمیدہ درخت بنسبت پہلے روز کے دوسرے روز ایک انگل کے قریب بڑھے ہوئے دکھلائی دیتے ہیں۔ اس وقت کی ہوا بھی بہت ہی فرحت بخش ہوتی ہے۔ صبح کی ہلکی ہلکی سردی ختم ہونے کے بعد ہم میں کچھ گرمی آتی ہے۔ دنیا کی جن دلاویزیوں کو مصور اپنے نوک قلم اور شاعر اپنی زبان سے ظاہر کر کے دکھلایا کرتے ہیں وہی دلاویزی اور دلکشی درختوں کے پھول اور پتوں کی شگفتگی اور تروتازگی کے باعث ہمارے نظر کے سامنے پہر جاتی ہے۔

اس قسم کے اور بھی بہت سے بیانات تحریر کرنے کا ارادہ تھا مگر بس قدر بیان کیا گیا ہے اس قدر کافی ہے۔ اس قسم کے مضمون دیکھنے سے سفر کردہ لوگوں کو اپنی آنکھوں کی دیکھی ہوئی کیفیت یاد آتی ہے۔ اور اس طرح پر سفر کا لطف ہمیشہ برقرار رہتا ہے۔ گھر میں بیٹھنے کی صورت میں بھی ہمارا دل حسب وقت پڑ مردہ اور پریشان ہوتا ہے تو اس وقت بھی دینیس۔ جنوا۔ اور مائٹی روسا جیسے دلچسپ اور نظر فریب مقامات ہماری نظر کے سامنے اپنا نقشہ کھینچ کر فرحت اور مسرت بخش ثابت ہوتے ہیں۔

جن لوگوں کا ذوق و شوق سفر کی جانب ہوتا ہے اور تکالیف سفر سے کسی قسم کا بچ نہیں ہوتا تو انکو سمجھنا چاہئے کہ وہ اپنے گھر کے آرام سے محروم نہیں رہے۔ گھر کے آرام کا پورا حظ اٹھانے کے لئے سفر کا ہونا ضرور ہے۔ بقول سعدیؒ ”قدر غافیت کسے دانکہ بمصیبتہ گرفتار آید“۔ کیونکہ سفر ایک محنت ہے اور گھر کا آرام ایک راحت ہے۔ یہ دونوں باتیں ایک دوسرے کی مدد و معاون ہیں۔ سفر میں جن

جن راحتوں کا شمار کیا گیا ہے اونہیں سفر سے گھر کو واپس آنے کی وقت جو ایک قسم کی خوشی حاصل ہوتی ہے وہ بھی شریک ہے۔

## ہشتم وطن کی خوبیاں

تجارت پیشہ یا دوسرے مصروف بہ کار لوگوں کے لئے اونکی فرصت کے زمانہ میں یہ راسے دینا کہ وہ اوسمیں سفر کے تجربہ حاصل کریں۔ یا گھر میں بیٹھ کر اپنے خاندان کے لوگوں میں آرام کے ساتھ زندگی بسر کریں۔ ایک شکل کام ہے۔

۵۳  
کی مہنت کا قول ہے کہ اُن لوگوں کے لئے کہ جو سفر کو دل سے پسند کرتے ہیں لیکن ضعف کی وجہ سے اوسکو اختیار نہیں کر سکتے۔ یہ بہت بہتر و مناسب ہو کہ اپنے مکان میں بیٹھ کر اُن کتابوں کا مطالعہ کریں کہ جنہیں سفر شکنی کے دلچسپ حالات بیان کئے گئے ہوں۔ اور سفر تری کی دلفریب سیر دکھائی گئی ہو۔

سیکیو اور پتی رو جیسے ملکوں کا سفر کرنا یا فاس فیک جزیرہ کے مانید دوسرے جزائر کا سفر کرنا بہت خوشگوار سمجھا گیا ہے۔ پرنس کاٹ کی تاریخ اور کپتان کوک وغیرہ کے سفر نامے اور علی ہذا القیاس اسی طرح کے اور قدیمی تصنیفات اس میں شک نہیں کہ بہت ہی دلچسپ ہیں۔ کیونکہ اس قسم کی کتابوں میں قدیمی لوگوں کے اوضاع و اطوار کا خاکہ اچھی طرح کھینچا دکھایا گیا ہے۔ اپنے روزانہ سفر کی منزل اگر چہ دالان سے

حجرہ تک اور حجرہ سے دالان تک ہی کیون نہ محدود ہو۔ جب بھی سفر نامہ کے مطالعہ سے اس سفر میں بہت کچھ آرام ملنے کی امید ہو سکتی ہے۔ وطن میں بیٹھے بیٹھے سفر ناموں کے مطالعہ کے ذریعہ سے جو کچھ معلومات حاصل ہوتی ہے اگرچہ وہ محدود ہی کیون نہیں ہوتی لیکن یہ بھی قابل قدر ہوتی ہے۔ مکنتری کا قول ہے کہ کتاب وہ شے ہے کہ ہم اس کے ذریعہ سے اپنے گھر میں کرسی پر بیٹے لطف سفر اٹھا سکتے ہیں اور بڑی بڑے ممالک اور مشہور مقامات کی سیر بلا تکلیف سفر کر سکتے ہیں۔ مقامات دور و دراز کے دوستوں سے ملاقات کرنا اور تصویر کے ذریعہ سے طرح طرح کے سین انکون کے سامنے پیش کرنا ہمارے راحت و آرام کا ایک اچھا ذریعہ ہے۔

اپنے گھر میں قیام پذیر ہو کر ہم جتنے سفر چاہیں اوتنے کر سکتے ہیں۔ اور طرہ یہ کہ لطف زندگی میں ذرا فرق نہیں آنے پاتا۔ اس لئے کہ جسطرح موسم بدلتے ہیں اوسیطرح ہکواپنے مقامات بھی بدلتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اپنے مکان کے کسی کمرے میں بیٹھ کر اگر نیچرل سین کی سیر کی جائے تو مختلف موسموں میں ہکواو سکی جدا جدا بہار نظر آئیگی مثلاً موسم بہار کے زمانہ میں ہکوا درختوں کی سرسبز ہی و شادابی موسم باران میں برسات کا سماں اور ہر ایک چیز کی تروتازگی۔ موسم سرما میں بیوہ دار درختوں کا پہلنا اور پہولنا۔ اور ندیوں اور نالوں کا صاف و شفاف پانی سے لیر ہونا۔ موسم گرما میں صحراے لق و دق کی تابش اور دوپہر کی وقت آفتاب کی حدت و تمازت یہ جدا جدا سین ہکوا نظر آئیں گے۔ قصہ مختصر یہ کہ ایک محدود اور محفوظ مکان میں بیٹھ کر ہکوا دنیا کے اس قدر مختلف سین ایک

آن واحد میں نظر آ جاتے ہیں۔ یہ تعجب اور حیرت کی بات ہے کہ آسمان کا دلکش اور نظر فریب سین دیکھ کر اکثر لوگوں کو کچھ خطا نہیں حاصل ہوتا کوئی آسمان کو آفتاب کے طلوع ہونے کی وقت دیکھے تو اسکو معلوم ہو کہ ہاں وہ وقت بھی کس درجہ دلکش ہوتا ہے۔ طلوع آفتاب کے وقت کی حالت کا فوٹو گریے نے مفصلہ ذیل الفاظ میں اتارا ہے۔ کہ آسمان پر جس وقت آفتاب طلوع ہوتا ہے اس وقت اسکی شعاعیں کس قدر سنہری اور کس قدر نیلگوں نظر آتی ہیں اور تھوڑی دیر گزرنے کے بعد آنکھوں کو خیرہ کر نیوالی روشنی دکھلائی دیتی ہے۔ اور اُفق آسمان روشن و منور نظر آنے لگتا ہے جس وقت آسمان پر سورج نمودار ہوتا ہے اس وقت اسکی صورت نصف دائرہ نما ہوتی ہے۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسکا دائرہ پورا ہو جاتا ہے اور اس قدر روشن و تابان ہوتا ہے کہ اس پر نظر نہیں ٹھیر سکتی۔

الغرض اس وقت کا سماں کچھ ایسا دلکش اور نظر فریب ہوتا ہے کہ اسکی برابر دنیا کی کسی دوسری چیز میں دلکشی اور نظر فریبی نہیں پائی جاتی۔ جو لوگ اہل نظر اور حقیقت میں ہیں انکو صبح اور شام کو آسمان کی خوبصورتی دیکھ کے اور بھی زیادہ خوشی ہوتی ہے کہ آسمان نے آسمان کی خوبصورتی اور صنعت لکھتے وقت جو کچھ جودت طبع اور تحریری قوت صرفہ کی ہے اسکو دیکھ کر اگر ناظرین کو حیرت نہ ہو تو کمال حیرت ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ ”مشرق سے مغرب تک کل آسمان ایسا رنگ بدلتا ہے کہ گویا آگ اور پانی کا ایک ہی دریا بنا ہوا ہے۔ مشرق کی طرف کا ابر یہ معلوم ہوتا ہے کہ سونے کے پھاڑوں کا

سلسلہ چلا گیا ہے۔ گلابی سنہرے اور رنگ برنگ کے ابر کے ٹکڑے آسمان پر پہلی ہوئے  
 دکھلائی دیتے ہیں۔ آسمان کے اوپر کا حصہ کہیں گرد آلود کہیں صاف و شفاف اور  
 کہیں نیلگوں بنا ہوا ہے اور کہیں دیکھو تو ابر کی عجیب و غریب شکل دکھلائی دیتی ہے  
 ابتدا تو اسکی دھوئیں کی پہاڑ کی صورت میں ہوتی ہے۔ اور انتہا پر نظر کیجاتی ہے تو گویا  
 سونے کا انبار نظر آ رہا ہے۔ اسطرح پر اگرچہ آفتاب کا رنگ ڈھنگ تمام روز بدلتا جاتا  
 ہے۔ لیکن ہر ہی کوئی شخص اسکی طرف نظر تامل سے دیکھتا ہوا نہیں پایا جاتا۔ صالح حقیقی  
 نے آسمان کو اسطرح پر صنع کیا ہے کہ اوسمیں انسان کی نفع رسانی اور پند و نصیحت کے بہید  
 استقدر تر رکھے گئے ہیں کہ شاید دنیا کی کسی دوسری چیز میں نہ ہوں گے۔

تعجب ہے کہ اس پر ہی ہم لوگ اسکی طرف کچھ توجہ نہیں کرتے۔ خدا کی پیدا کی ہوئی  
 چیزوں میں سے ہر ایک شے اسکی اعلیٰ درجہ کی صناعت کا اظہار کرتی ہے اور ایک سے  
 ایک بڑھتی نظر آتی ہے۔ چنانچہ ان میں سے آسمان ہی ایک ایسی چیز ہے کہ جسکے  
 منافع اور ساخت کی نسبت فلاسفہ لوگ ایک عرصہ سے سرگردان ہیں لیکن ہم ہی وہ  
 نہیں سمجھ سکتے۔ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ آسمان پر کالی کالی ڈراوئی گھٹا چھا جاتی ہے اور پھر  
 توڑی دیر میں آپ ہی صاف ہو جاتی ہے۔ صبح و شام کے وقت زمین سے جو شبنم کے  
 ذریعہ سے بخارات اٹھتے ہیں اکثر پہاڑوں یا گاونوں کو ڈھانپ لیتے ہیں۔ اور یہ  
 معلوم ہوتا ہے کہ ایک دھواں ہے کہ زمین و آسمان میں بہا رہے۔ اوسمیں درخت وغیرہ  
 کچھ نظر نہیں آتے۔ اوس سے اوس برستی ہے جسکی وجہ سے عالم کی زراعت کو زمین

کو اشتباہ کو صدمہ منافع پہنچتے ہیں۔ اگر آفتاب غروب ہوا تو یہ خیال نہیں کرنا چاہئے کہ آسمان کی قدر و منزلت بھی نابود ہو گئی۔

سنیکا کا بیان ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ زیرِ سما دنیا میں آرام لینا اور آسمان کی نیڑگیوں کو دیکھنے کے برابر دوسری دلچسپ حالت اور کونسی ہو گی۔ آفتاب کے غروب ہوتے ہی پہر کوئی چیز اس قابل نہیں رہتی کہ اس کو دیکھا جائے۔ اس خیال سے مکان کے جہرے اور کٹر کیاں بند کر لینا قرینِ مصلحت نہیں ہے۔ ایمرسن کا بیان ہے کہ ”ایسا آسمان جسمیں گویا بہت سے سونے اور جواہر کے ریزے ٹکے ہوئے ہیں۔ اور جو کل دنیا کو اپنے نیچے لئے ہوئے ہے اور جسمیں چاند کی دہی دہی اور ٹنڈی ٹنڈی روشنی اپنا جو بن دکھلاتی رہتی ہے اس کے ہم مثل دنیا کا اور کوئی منظر نہیں ہو سکتا۔ آسمان کے مختلف سیاروں سے ہموطرح طرح کے منافع حاصل ہوتے ہیں۔ دنیا میں جو لوگ بہ لحاظ ان تمام بزرگیوں اور منافع کے آفتاب اور مہتاب کو بزرگترین خیال کر کے ان کی پرستش کرتے ہیں تو یہ کوئی ایسا زیادہ حیرتہ کا مقام نہیں ہے۔“

اگر حقیقت میں دیکھا جائے تو گھر کا آرام گہری میں خوب ملتا ہے اکثر لوگ جو دیوانخانہ یا حجرے میں بیٹھ کر اپنے دوست احباب کے ساتھ اختلاط اور ارتباط کی گفتگو کرتے ہیں ان کی راحت کی کوئی حد نہیں ہے۔ دوسروں کو وہ لطف کبھی خواب و خیال میں ہی نہیں نصیب ہوتا۔

کیا یہ لطف زندگی کچھ کم ہے کہ اپنے گہریں بیٹھ کر ہم اپنے اعزاء اور اقربا میں زندگی بسر کرتے

اگر غور سے دیکھا جائے تو گھر کا عیش آرام بہ نسبت تنہائی کے اہل و عیال کے ساتھ دوہندہ ہوتا  
 زمانہ قدیم میں وحشی آدمیوں کی تو کچھ پوچھے ہی نہیں یونانیوں کی بھی خانگی حالت چنداں  
 درست نہیں تھی۔ اگر یونانیوں کی اوس گذشتہ حالت کا کرب کا ذکر کاؤلی نے کیا ہے  
 موجودہ حالت سے مقابلہ کر کے دیکھا جائے تو ایک بین فرق نظر آتا ہے۔ کاؤلی  
 کا بیان ہے کہ جس مکان کے اطراف عمدہ باغ ہو اور مکان میں کتابوں کا ذخیرہ بھی موجود  
 ہو اور مطالعہ کا شوق ہو اور اوس گھر میں نیک بی بی ہو تو اوس گھر والے کے آرام  
 کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ عورت اگر یہ کیسی ہی لایق اور قابل صفت کیون ہو جو  
 بھی ایک بُری بلا ہے۔ عورت اپنے ہوئے پن سے جان لینے والی۔ اپنی بیٹی بیٹی  
 باتوں سے مصیبت میں ڈالنے والی۔ اور بظاہر نیک مگر باطن میں آفت کا پرکار۔  
 ہوتی ہے۔ سینٹ کرسٹوم مصنف کا بیان ہے کہ ”بسکوا اپنی والدہ۔ بی بی۔ یا لڑکی  
 سے بہت محبت ہوگی اور بسکوا عورتوں کی یہ عام شکایت سن کر ضرور حیرت ہوگی۔ زمانہ  
 حال میں یورپ کے مہذب ممالک میں مرد و عورت کی باہمی محبت اور باہمی تعلقات کے  
 متعلق جیسی کچھ درستی اور شائستگی دیکھی جاتی ہے ویسی کسی دوسری چیز میں نہیں دیکھی  
 جاتی بعض اقوام میں غلط قاعدوں کی پابندی سے اکثر عورتوں کو ایسی مصیبت برداشت  
 کرنی پڑتی ہے کہ اوس کے خیال سے ہی بدن کے رنگ گٹے کھڑے ہوتے ہیں۔ یونانیوں  
 کی عورتیں باوجود لیاقت اور دولت بندی کے اپنی ذاتی کوشش کے ساتھ اپنے گھر و مقدر  
 آراستہ و پیراستہ رکھتی تھیں کہ گویا وہ بہشت کا نمونہ ہوتے تھے۔ لیکن پھر بھی اونکے

خاوندان عورتوں کو اپنی باندی لونڈی ہی خیال کرتے تھے۔

ایک مصنف کا بیان ہے کہ عورتوں کو پہول سے ہی نہ ماننا چاہئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ عورتوں کے سلوک کی نسبت زمانہ قدیم میں ہی بڑی بزرگی کا خیال رکھا جاتا تھا۔ مگر زمانہ حال کو دیکھتے ہوئے یہ خیال قائم نہیں ہو سکتا۔ اکثر نکاح کے جنگلی لوگوں کو اسکی ذرا سی خبر نہیں ہے کہ گھر کے لوگوں اور بیبیوں کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کرنا چاہئے شمالی امریکہ میں جو الگانگن قوم کے لوگ آباد ہیں وہ محبت و الفت سے اسقدر بی بہرہ ہیں کہ انکی زبان میں محبت کا لفظ کہیں ڈھونڈے سے ہی نہیں ملتا۔ جس مرد اور عورت کے درمیان محبت و الفت نہیں ہوتی اگر انکی شادی ہی کر دی جائے تب ہی وہ لطف زندگی کچھ نہیں حاصل کر سکتے اور آخر کار اونکو رجسٹ اور تکلیف ہی پہنچتی ہے۔ ایک شاعر کا قول ہے کہ ایک کاریگر نے جواہرات کا پتلا تیار کر کے اپنے بادشاہ کو نذر کیا مگر بادشاہ نے اوس پتلے کو بہت ہی قیمتی اور خوب صورت خیال کر کے اوسکے ساتھ شادی کر لی۔ مگر جبوقت وہ اوس سے بے لگیا ہو تا تو موسم سرما میں سردی سے لڑتا اور گرمی میں مارے گرمی کے بے قرار ہو جاتا تھا۔ علیٰ ہذا القیاس جن مردوں اور عورتوں میں محبت نہیں ہوتی تو عام طور پر اودن میں اوس بادشاہ اور پتلے کی مثل صادق آتی دکھلائی دیتی ہے۔ پہراؤن کے خانگی آرام کی کیفیت لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ محبت و الفت کے برتاؤ سے قطع نظر کر کے اگر دیکھا جائے تو بسا اوقات باہمی گفتگو اور بات چیت میں جو الفاظ غیظ و غضب کی حالت میں نادانستہ طور پر زبان سے

نکلتے ہیں وہ بھی اسپین بد مزگی اور بے لطفی کا سبب ہوا کرتے ہیں۔ اور نخل راحت و آرام بنجاتے ہیں۔ اس لئے ہر ایک کو لازم ہے کہ غصہ کی حالت میں نخل اور ضبط سے کام لے۔ اور اپنی طبیعت پر تھوڑا بہت جبر کرے۔ اسپین شک نہیں کہ اس طریقہ زندگی کو اختیار کر نیکے باعث ضرور مصیبت سے نجات ملیگی۔

گھر کو ایک معمولی اور چوٹی سی جگہ مت سمجھو۔ بلکہ اسکو طوفان خیز دریا کی مصیبتوں سے پناہ دینے والا ایک جزیرہ خیال کرو۔

وہ لوگ غلطی کرتے ہیں کہ جو گھر کے در و دیوار سے راحت و آرام کے طالب ہوتے ہیں۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ گھر کا آرام اور گھر کی راحت اپنی ذاتی کوشش کی بغیر کبھی حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔

## باب نہم

### علوم حکمت

جو لوگ علوم حکمت سے واقف نہیں ہیں وہ کبھی اس بات کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے کہ زندگی کو آرام اور آسائش کے ساتھ بسر کرنے کی کیا صورتیں ہوتی ہیں۔ جو لوگ حصول علم کو مشکل اور بے سود سمجھتے ہیں۔ اسپین شک نہیں کہ وہ بہت بڑی غلطی کرتے ہیں۔ تمام علوم نصیحت آمیز اور دلچسپ ہی نہیں ہوتے۔ زمانہ قدیم میں عالموں کی بہت قدر و منزلت تھی۔ علمی لیاقت ہی ایک ایسا ذریعہ ہے کہ جس سے زمانہ گذشتہ

حال اور آئندہ کی نسبت ہموکچہ نہ کچھ معلومات حاصل ہوتی ہے۔ جاہل شخص کو زمانہ چنی اور استقبال کا حال کچھ نہیں معلوم ہو سکتا۔ باوجودیکہ علم کا یہ رتبہ ہے۔ جب ہی لوگوں کو اس کی تحصیل سے گریز ہے اور اُس میں اپنا توڑا سا وقت صرف کرنا بھی انکو ناگوار گذرتا ہے۔ زمانہ قدیم کے ہنود کا عقیدہ اور خیال یہ تھا کہ دنیا میں جس قدر دریا موجود ہیں انکو اندر نے اپنے گرز سے کو دیا ہے اور وہی انکو پیچ در پیچ راستہ سے لاکر سمندر میں چوڑ دیتا ہے۔ مگر علم حکمت سے ندیوں کی پیدائش کے اسباب اور دیگر دنیوی عجائبات کی صحیح کیفیت و حقیقت معلوم ہونے پر ہمواد کے اس خیال کی نسبت بہت ہی حیرت معلوم ہوتی ہے۔ خداوند تعالیٰ کی قدرت کاملہ سے جس قدر چیزیں بنی ہیں ان میں اس بلا کی دلکشی اور خوبصورتی پائی جاتی ہے کہ انسان کی صنعت و کاریگری کی چیزوں میں وہ دلکشی اور خوبصورتی ذرا نہیں نظر آتی۔ علم حکمت کے اکثر بیانات دلفریب قصہ اور کہانیوں سے بھی زیادہ دلچسپ ہوتے ہیں۔

علم نباتات سے اکثر لوگوں کو ذرا ہی دلچسپی نہیں ہوتی اور نہ کبھی وہ اس بات پر غور کرنے کی تکلیف گوارا کرتے ہیں کہ جب ہمواد علم نباتات سے نا آشنا ہونے کی صورت میں بھی درختوں اور پھولوں کو دیکھ کر اس درجہ سرت ہوتی ہے تو علم نباتات کو جاننے کے بعد تو کیا کچھ لطف اور حظ نہیں حاصل ہو گا۔ درختوں اور پھولوں کے دیکھنے سے جو ہم کو خوشی اور سرت حاصل ہوتی ہے وہ اسی طرح ہوتی ہے جیسیکہ ایک کم درجہ کا آدمی بڑی رتبہ کے آدمی کو دیکھنے سے خوش ہوتا ہے۔ اور یہ نہیں جانتا کہ اس کی وجہ کیا ہے اور اس

خوشی کا کیا باعث ہے۔ ہاں اگر اوس آدمی کو اوس سے ملاقات اور شناسائی ہو تو خوشی کرنا بجا ہی ہے۔ اور اس کا سبب ظاہر ہے۔ جسکو علم نباتات سے تھوڑی سی ہی واقفیت ہوگی اور وہ جنگل یا کمیت میں جائیگا تو وہی نباتاتی اشیاء و اسکو دوست کی صورت میں دکھائی دیکر فیقون کا کام دینگے اور علم حکمت کے حکات بتلائیں گی۔  
 ڈاکٹر جان سن کا مقولہ ہے کہ ایک جنگل کو دیکھنے کے بعد دوسرے جنگل کے دیکھنے کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔“

سقراط جیسے عقلمند شخص کا قول ہے کہ حالانکہ مجھے علم و لیاقت حاصل کرنے کا بڑا شوق ہے لیکن جب ہی باغ یا جنگل کو دیکھ کر مجھکو کچھ ہی نصیحت نہیں ہوتی۔ اکثر لوگ کہتے ہیں کہ نباتاتی علم جاننے والے درخت اور پھول وغیرہ کو گودیکتے ہیں مگر انکی حقیقت سچ کچھ آگاہی نہیں ہوتی۔ انکو علم نباتات سے واقفیت صرف اسقدر ہوتی ہے کہ پھولوں اور درختوں کے لاطینی نام ازبر کر لیں اور بس۔ علم نباتات کے خلاف جن لوگوں کی رائیں دیکھی جاسکتی ہیں اوسکا طلب سوائے اسکے اور کچھ نہیں ہو سکتا کہ وہ اس علم سے بیہودہ ہوتے ہیں۔ حالانکہ ریکٹن علم نباتات کا ایسا بڑا عالم نہیں تھا لیکن اوسکو جو اس علم سے ایک خاص قسم کی دلچسپی حاصل تھی اوسکی وجہ سے ہم دیکھتے ہیں کہ علم نباتات کی نسبت جو اس نے اپنی رائے قائم کی ہے وہ بہت ہی بڑی چڑھی ہوئی ہے۔ زمین پر جو سرسبز گھاس کا زمر دین فرش بچھا ہوا ہے اور مختلف رنگ کے گل و لالہ کھلے ہوئے ہیں۔

خیال کرنا چاہئے کہ ان سے ہمکو کیا کیا فائدے پہنچتے ہیں۔ غور کرو کہ نباتات میں جو

جو منافع مسترہین اونکی کچھ حد و پایان ہی ہے۔ اس سے بڑھ کر موسم باران کی دلکشی قابل لحاظ ہے۔ سیر بوستان اور گلگشت چمن۔ گرمی کے دوپہرین گھنے درختوں کا سایہ۔ یہ سب چیزیں کس قدر آرام دہ اور لطف انگیز ہیں۔ بیٹر۔ بکری اور نیزہ و سرے جانوروں کی کلیلیں۔ چرواہوں کی لسب اوقات کرنے کا طریقہ۔ اور اونکی خوش طبعی۔ آفتاب کی روشن شعاؤں کا کوہ و بیابان پر چمکنا۔ اسی قسم کی بہار نباتات کا نام لیتے ہی نظروں میں سما جاتی ہے۔

ایک علم میں مہارت ہو تو دوسرے علم میں سہولت ہوتی ہی۔ کیونکہ کل علوم کی حالت یکساں ہے۔ نجوم کو دیکھو نجومی اکثر بڑی رات تک اندھیرے میں بیٹھ کر آسمان کی طرے نظر لڑا کر ایک دُمدار ستارہ کو ڈھونڈ کر نکالتا ہے اور اسکے بعد اسکی زقارتے اوس کی گردش کا حساب لگاتا ہے۔ اور اسکی گردش کے لحاظ سے یہ حکم لگاتا ہے کہ کتنے عرصہ میں وہ اپنی جگہ پر واپس آسکے گا۔ اور بقدر عرصہ وہ تجویز کرتا ہے اوس میں کسی قسم کی غلطی اگر واقع نہیں ہوتی۔

ایک زمانہ وہ تھا کہ لوگ اپنی لسب اوقات شکار پر ہی کیا کرتے تھے اب جون جون زمانہ تہذیب اور شایستگی حاصل کرتا جاتا ہے ویسے ہی ویسے شکار کے ذریعہ سے زندگی بسر کرنے کا خیال لوگوں کے دلوں سے نکلتا جاتا ہے۔ اور یقین ہے کہ آئندہ شکار کے بدلے لوگوں کو علم حیات حاصل کرنے کا شوق دانگیر ہوگا۔ جو جانور کہ پہلے شکار کئے جاتے تھے اب انکا وجود گھٹتا جاتا ہے۔ مثلاً اگلے زمانہ کے لوگ بڑے بڑے میٹھے اور گھٹے

کاشکار کیا کرتے تھے اور گزشتہ زمانہ کے برٹن لوگ جنگلی گائے اور بیڑیوں کا شکار کرتے تھے۔ بالفعل انگریز وغیرہ پرند اور گیدڑ و خرگوش وغیرہ کا شکار کرتے ہیں۔ اور اب انگلینڈ میں یہ شکار بھی بہت کمیاب ہوتا جاتا ہے اور کچھ دنوں کے بعد ایسا ہو گا کہ روساء کے لئے شکار کرنے کے واسطے پرندوں اور چرندوں کی شکار گاہ میں حفاظت کرنی پڑے گی۔

علم حیات بھی مثل دوسرے علموں کے بہت ہی دلچسپ اور مفید ہے۔ اس علم کے واقفکار سانپ چمپلی وغیرہ شیشوں میں ڈال رکھتے ہیں اور یہ خیال کر کے کہ ہم نے اس علم کی منزل کو طے کر لیا اور سکا آئندہ کموج نہیں لگاتے۔ اور جو پورے واقف ہیں اس علم کی وہ صفت خالی نمائش کے طور جانوروں کو جمع کر کے بیفٹری سے نہیں بیٹھتے بلکہ نیچرل فلاسفی کی طرف بخوبی غور کر کے اوسمیں اور باریکیاں نکالتے ہیں۔ اور خداوند تعالیٰ کی قدرت اور قوت کا مشاہدہ کر کے اوسمیں محو ہو جاتے ہیں۔

روٹی فرامی جو ایک آبی کیرا ہے اور جسمیں ٹہی کا ذرا نام و نشان بھی نہیں ہے اور قد و قامت میں بھی نہایت ہی چوٹا ہے اور اسکے مفصل حالات میں ایک کتاب لکھی گئی ہے اور اسکے مطالعہ کرنے سے بلاشبہ قدرت الہی کا جلوہ نظر آتا ہے۔

علم کی بدولت اس سے بھی زائد حیرت انگیز باتیں ہم کو معلوم ہوتی ہیں۔ اگر ہم یہ کہیں کہ علم چشمہ عیش ہے تو شاید کچھ بیجا نہ ہو گا۔ اکثر بیوقوف کہتے ہیں کہ اس زمین سے جس قدر جانور وغیرہ کو فائدہ ہوتا ہے اور بقدر انسان کو بھی ہوتا ہے۔ یہ ایک بادرہائی

خیال ہے۔ سیک مون جو گرین لینڈ کا رہنے والا تھا اس نے ایک گھڑیال کو دیکھ کر پوچھا کہ اوسکو اگر کھایا جائے تو اوسکا ذائقہ کیسا ہوگا اور ایک آفریڈیسی نے ایک مسلمان کو ایک مسلمان کے مزار کی پرستش کرتے دیکھ کر جان سے مار ڈالا۔ الغرض جو لوگ اس طرح کے خیال سے دنیا کو دیکھتے ہیں اونکو زندگی کا کچھ بھی نفع حاصل نہیں ہوتا۔ اگر لوگ علم کی طرف خیال کریں اور اوسکو حاصل کریں تو اونکے دل پر اس سے عمدہ اثر ہوگا اور کل دنیوی چیزوں کی عظمت اون کے ذہن نشین ہوگی۔

اگر علم کو اس خیال سے حاصل کیا جائے کہ اوسکے ذریعہ سے دل بہتا ہے تو یہ سراسر غلطی ہے ہمکو دنیا میں لیاقت سے فائدہ حاصل ہونیکے لئے علم کی جو تعلیم ہو وہ بغیر ہے۔ یہ ہی یاد رکھنا چاہئے کہ سعی و کوشش کی جو قوت تمام عمر انسان میں چھپی رہتی ہے اوسکو علم پڑھنے سے ہی مدد ملتی ہے اور اوس میں ترقی ہوتی ہے۔ جو لوگ کہ علم محنت اور جفاکشی سے حاصل کرتے ہیں یا جنکو اوس بدرجہ غایت دلچسپی ہوتی ہے اونہیں کو اس سے زیادہ تر فائدہ پہونچتا ہے اور جس قدر ذاتی عیوب ہوتے ہیں وہ سب علمی لیاقت سے نابود ہو جاتے ہیں۔

علم حکمت کی خوبیاں اور اوسکی عظمتیں ذہن نشین ہونیکے بعد انسان کو دنیا کی مصیبتیں اور اوسکے رنج و آلام زیادہ تکلیف دہ نہیں ہوتے۔ فی لپس کہتا ہے کہ آسمان کی طرف دیکھو کہ اوسکے برج خداوند تعالیٰ نے کیسے عمدہ بنائے ہیں وہ بہت غور کے قابل ہیں اگر انسان غور کر کے دیکھے تو آسمان اوسکی نصیحت اور مدد کرنے ہمیشہ مستعد اور تیار رہتا

۱۱۶ کہیں کہیں اپنے ایک لکچر میں بیان کرتا ہے کہ اس زندگی کا کل شرہ اور شرطِ بخ کی طرح قسمت کی ہارجیت پر سب آسمان پر منحصر ہے۔ یہ بات غور سے ثابت ہوتی ہے اسکی حقیقت کا دریافت کرنا ضروریات سے ہے۔ اور شرطِ بخ کی چالوں سے حتی الامکان واقف ہونا فرض ہے۔ کیا تم نہیں جانتے کہ بچپن میں تمہارے بزرگ اور بڑے اگر دنیا کی بازیافت نہ سکھائیں کہ پیادے کوٹنے اور گھوڑے کوٹنے میں اور اونکی چال کیا ہے تو تم ان سے گھٹ کر بنجیدہ رہو گے۔ یاد رکھنا چاہئے کہ جو کھیل بلاشبہ شرطِ بخ کے کھیل سے بھی زیادہ مشکل اور اہم ہے اسکی واقفیت پر ہماری زندگی کا آرام منحصر ہے۔

علمِ حکمت سے مذہبی اصلاح بھی مقصود ہے اس کے ذریعہ سے عقل سلیم پیدا ہوتی ہے۔ شجرِ شیطان۔ منتر وغیرہ کا اعتقاد اور دنیا بھر کے وہ توہمات کہ جن سے انسان کو طح طرح کی دقتیں پیش آتی رہتی ہیں علمِ حکمت سے ان سب کی بچ گئی ہو جاتی ہے۔  
 ۱۱۷ سین فری ناٹل کا بیان ہے کہ ماہرانِ علومِ حکمت اور ذی علم و اعظیٰ میں ایقت میں ہم لپے ہوتے ہیں۔

دنیا میں رہ کر ہکو علمِ حکمت کی ترقی کرنا بہت ضرور ہے۔ ہم اود ہر کبھی خیال بھی نہیں کرتے کہ علمِ حکمت کی بدولت ہکو ہر بات میں کس قدر سہولتیں حاصل ہوتی ہیں اسکی وجہ یہ ہے کہ ان چیزوں کو جن سے ہکو آسانی حاصل ہوتی ہے اکثر استعمال کرتے ہیں اسلئے وہ معمولی بات ہو گئی ہے اور اسکو ہم خاطر میں نہیں لاتے۔ جیسا ایک دیاسلائی ہو کہ جس سے ہم روز اپنے مکان میں چراغ روشن کرتے ہیں۔ وہ ہماری بہت ہی ضرورت کی چیز ہے۔

لیکن ہم اوسکا کچھ بھی خیال نہیں کرتے۔ اس دنیا کی بہت عمدہ چیزیں جو کسی کے خواب اور خیال میں بھی نہیں ہیں وہ اکثر پوشیدہ رہتی ہیں۔ بڑے بڑے کارخانوں میں سے جو کوڑا کرکٹ پینڈا جاتا ہے اوس سے اکثر کارآمد چیزیں بنائی جاتی ہیں۔ منجملہ اونکے ایک گلابرٹ سالٹ ہی ہے۔

اگر ہم یکمیں کہ ہندوستان کے آرام و ترقی کا دار و مدار علم حکمت پر ہی منحصر ہے تو بہت صحیح ہے۔ بیان کی مردم شماری قریب قریب تیس کروڑ کے ہے اس زمانہ کے اندازہ سے دن بدن تعداد کی بہت ہی ترقی ہونے کا اندازہ معلوم ہو رہا ہے۔ بالفعل ہم سب کی سکونت زمین پر ہوتی ہے۔ اگر اس طرح انسان کی ترقی ہوگی تو سو سال کے بعد زمین پر جگہ ملنی دشوار ہوگی۔

بہ نسبت دس سا لگدشتہ کے بیان کی مردم شماری میں ساڑھے چار کروڑ کی ترقی ہوئی ہے اگر اس مردم شماری کی ترقی کا اندازہ کریں تو سو سال میں اتنی تعداد بڑھ جائیگی کہ آبادی اور زراعت کی واسطے زمین کافی نہ ہوگی۔ اگر لوگوں کی ترقی کو کسی مصنوعی تدبیر سے کم کر دیں تو اوس سے فساد اور بے چارہ پیدا ہونے کا احتمال ہے اور اگر اوس ترقی کو جائز رکھا جائے تو انسان کا بہت برا حال ہوگا۔ ان سب آئندہ کی مصیبتوں کے آسان کرنے کا صرف ایک ہی طریقہ نظر آتا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چار طرف صنعت و حرفت اور علم حکمت کا چرچا ملک میں پیدا دیا جاوے اور مختلف کاموں میں اُن لئے مدد لی جائے جو کوئی دنیا کی باتوں کا کھوج لگانے کا اوسکو بہت سی حیرت انگیز اور مفید باتوں کا

پتالمیکا۔ انگلینڈ کے موافق اس ملک میں سو سال کے بعد علم حکمت کی اتنی ترقی ہوگی کہ بالفعل بڑے بڑے عالموں کی جو لیاقت ہو اس سے زیادہ ایک ایک کسان میں پائی جائیگی۔ بائبل کا بیان ہو کہ ”دو صدی قبل ایک مصنف نے لکھا ہے کہ ایسی چیز دنیا میں کوئی نہیں ہے کہ جس سے ہر ایک شخص کو نفع پہنچ سکے۔“ گو یہ قول موجودہ حالت کے مطابق ہو۔ لیکن یہ خیال کسی طرح نہیں کیا جاسکتا کہ آئندہ زمانہ میں بھی صحیح ہوگا۔

سراج ہرشل نے لکھا ہے کہ جو چیزیں ہکو بالفعل دستیاب ہو چکی ہیں اور علم حکمت کے متعلق جو جو آئندہ ترقیاں ہوں گی وہ بنی نوع انسان کو از حد مفید ہوں گی۔“

ہم علم حکمت کے بہت ہی احسان مند ہیں۔ آریچ ڈیکن فیئر نے لیورپول میں ایک لکچر کر ذریعہ سے اس بات کو بت عہدگی کے ساتھ ظاہر کیا ہے کہ تمہارے اس عظیم الشان شہر میں علم حکمت اور علم آلات گویا چوہرِ مہر کی فتحیابی کے نشان بن گئے ہو امین اور رہی ہیں تمہارے تجارتی جہازوں کے پیچھے سے جو پانی میں لہر کی زنجیر پڑی ہوئی ہے اسکو اگر اس ملک کے تاجروں کے دو لاکھ کا عمدہ راستہ شمار کیا جائے تو بہت درست ہے۔

علم حکمت نے جو بادرسی کی ہے وہ نہ دکش اور حیرت انگیز ہی نہیں ہے بلکہ احسان اور قوت سے بھی بھر پوری ہوئی ہے۔ یہ بیان تمہارے مشاہدہ میں آ رہا ہے وہ اس بہت بڑے آسمان کی کشادگی اور تمام زمین کی وسعت کو گہیرے ہوئے ہے۔ اس دنیا میں بہت سی بنیاد پر چیزیں ایسی ہیں کہ آج تک انکوں نے اونکو دیکھا ہی نہیں تھا۔ یہ علم حکمت ہی کا فیصل ہے کہ اب وہ چیزیں ہکو سائنٹفک آلات کے ذریعہ سے نظر آنے لگی ہیں

بادشاہوں کے جاہ و جلال کا اثر اگر صرف دربار یا شہر ہی تک محدود ہو تو اس سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہو سکتا۔ بلکہ بادشاہوں کو اپنے جاہ و جلال سے اپنے ملک اور رعایا کو فائدہ پہنچانا ضرور ہے اور ایسی تدبیریں اختیار کرنی لازم ہیں کہ جسے ملک و رعایا کا رخ و الم و در ہو۔ جو بادشاہ خوش قسمتی سے ایسا طرز عمل اختیار کرتے ہیں وہی اپنی رعایا اور ملک کی نظروں میں قابل قدر اور لائق تعظیم ثابت ہوتے ہیں۔

گذشتہ زمانہ میں جو کام بٹھیوں اور آتشدانوں کے ذریعہ سے انجام دئے جاتے تھے اب وہی کام نہایت آسانی اور سہولت کے ساتھ کلون کے ذریعہ سے انجام دئے جاتی ہیں۔ اس وقت ہم آفتاب کی روشنی کی مدد سے اپنے عزیز و دوستوں کی شبیہیں تیار کر سکتے ہیں۔ سائنس کے ذریعہ سے معاون کہو د نے میں بہت کچھ آسانی پیدا کر دی گئی ہے اور کوئلے کی کانوں میں جن کان کنوں کی جان عزیز خطرہ میں رہا کرتی تھی۔ اب ہر فحش دیوی لیمپ کے ذریعہ سے اونکی جانوں کی حفاظت کا قابل وثوق انتظام کیا گیا ہے۔ عمل جراحی کی وقت جو مریض کو تکلیف برداشت کرنی پڑتی تھی کلوروفارم کی ایجاد سے اوسکو دور کیا گیا ہے اب یہ حالت ہے کہ آنکھ سے نازک چیزیں کلوروفارم تنگہا کر آسانی کے ساتھ عمل جراحی کو بلا کسی تکلیف کے برداشت کر لیتی ہے۔ اہرام مصر کو جنگلی تعمیر میں بیشمار مزدور اور ایک زمانہ دراز صرف ہوا ہوا گاؤں علم حکمت ہی کی مدد سے تکمیل کو پہنچے ہیں۔ سمندر و مین روشنی کے مینار اور اسٹیم جو نظر آتے ہیں وہ بھی علم حکمت ہی کی فیاضی کا پتا دیتے ہیں۔ ریل کی آہنی سڑکوں کا اور نامہ و پیام سرعت کی

ساتھ پہنچانیکے لئے برقی تاروں کا وجود بھی ہمو سائنس ہی کا مرہون منت بنائی ہوئے ہیں۔ الغرض علم سائنس وہ علم ہے کہ جسکی بدولت نابینا بینا اور بہرے کا نون والے بنتے ہیں۔ اور انسان کی حفاظت اور رفع تکالیف کا ذمہ لئے ہوئے ہیں۔ اسلئے ہمو چاہئے کہ جس علم سے ہمو اس قدر منفعتیں حاصل ہوتی ہیں اوسکی تعلیم اپنی اولاد کو دلانا ضروری اور اشد ضروری سمجھیں۔

## باب دہم

### تعلیم

اگر یہ کہا جائے کہ دنیوی آرام میں تعلیم ہی شامل ہے تو ناظرین کو شاید حیرت ہوگی۔ کیونکہ آرام وہی ہے کہ جس کی طرف خواہش و رغبت ہو۔ اور تعلیم کی طرف اکثر اڑکون کی توجہ نہیں ہوتی اور مدرسہ سے چٹھی ملتے ہی کھیل کود میں مصروف ہو جاتے ہیں اور خیال تعلیم چھوڑ دیتے ہیں۔ اگر اڑکون کو مہذب اور شاید تہ بنانا منظور ہے تو اذکی تعلیم و تربیت جاری رکھنی ضروریات سے ہیں۔

خداوند تعالیٰ نے دنیوی حالات سے واقف ہونے کا جو ذریعہ رکھا ہے وہ اوس کی عین عنایت ہے۔ مگر بعض کا قول ہے کہ یہ طریقہ شاہی طریقہ کے موافق آسان نہیں ہے لیکن اگر حقیقت میں خیال کیا جائے تو اوس طریقہ سے کچھ علیحدہ ہی نہیں ہے۔

جرمی ٹیلر کا بیان ہے کہ ہم خیال کرتے ہیں کہ ہماری آنکھ آسمان کی خوبصورتی دیکھتی ہے

اور کان پرندوں کی خوش الحانی کا مزہ اٹھاتے ہیں۔ مگر ان کاموں کا باعث اور اونکا فائدہ اٹھانے والا خاص دل ہے۔ اور مقدار مفاد اس دل پر منحصر ہے۔ یعنی جس قدر کہ دل مذہب اور مینہ ہوگا اور سید راو سکو فائدہ حاصل ہوگا۔ جس لڑاکی کے دل پر آسمان کے سے مختلف رنگ اور اسکے سے گونا گون نقش نقش ہوں اور دیوی حالت اسکو معلوم نہ تو اسکا دنیا کی بوقلمونی دیکھنا نہ دیکھنا دونوں برابر ہی۔ اُس کی خوشی جانور کی کلیل کے مانند ہے۔ اسلئے تعلیم کے بعد جو خوشی حاصل ہوتی ہے۔ دراصل وہی خوشی کہی جاسکتی ہے۔

تعلیم سے اصل غرض یہ نہیں ہے کہ انسان بہت سے بیفائدہ خیالات سے پریشان خاطر و مکر حواس ہو جائے۔ بلکہ اصل اصول یہ ہے کہ خیالات کو امتحان کی ترازو میں توکر درست کرے۔ کیونکہ بیل ہزار داستان کی طرح زبان سے تو بہت کچھ چرب زبانی کے ساتھ الفاظ نکلتے ہیں۔ مگر حاصل حصول کچھ ہی نہیں۔

بے کن لکھتا ہے کہ متعدد علوم حاصل کرنے میں اپنی اوقات گران ماخیز کرنا بالکل فضول امر ہے۔ اور اپنی لیاقت کا بے سوچے سمجھے استعمال کرنا بالکل نادانی کی بات ہے لیاقت صرف کرنے کیو اسلئے بہت کچھ تجربہ ہونا چاہئے اور وہ لیاقت تجربہ سے ہی پورے طور پر حاصل ہوتی ہے۔“

مل کا بیان ہے کہ بالفضل جس جماعت میں ہماری ہر روز اوقات بسر ہوتی ہے اور رات دن ہم جس جماعت میں ملتے جلتے رہا کرتے ہیں۔ بہکول لازم ہے کہ پوری پوری

اوس جماعت کے راحت اور رنج میں حصہ دار رہیں۔“ مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں اور اپنے چال چلن سے اپنی ہمدی میں فرق پڑتا ہے البتہ اسکی اصلاح تعلیم سے ہونا ضرور ہے۔ تعلیم سے قومی اور ملکی ہمدردی نہ پیدا ہو تو تعلیم کا ہونا نہ ہونا مساوی ہے لگے کن کا بیان ہے کہ علم آرام کے لئے پلنگ بیکری کے ساتھ ٹیکا دیکر بیٹھنے کی واسطے تکیہ۔ بلند کھڑے ہو کے دوسروں کو اپنے سے پست خیال کرنے کی واسطے مینار۔ جنگ کرنے کی واسطے قلعہ۔ جس طریقہ سے زندگی کی ترقی ہو اور خدا کی قدرت دنیا میں ظاہر ہو وہ علم ہے۔“

۹۔ اے پی کے ٹی ٹس کا بیان ہے کہ اگر تم بہت بڑی حویلیاں تیار کرو تو یہ بت خیال کرو کہ ملک کی خیر خواہی کی۔ کیونکہ کم ظرف لوگ شاہی محلوں میں رہیں تو اونکی عزت نہیں بڑھ سکتی اور عالیخانہ اگر اپنے پیوس کے جوڑے میں بھی رہیں تو اونکی عزت وقت میں فرق نہیں آتا۔ سب میں بہرہ ہے کہ تم اپنے دل و جان سے یہ کوشش کرو کہ جتنا تک ممکن ہو تمہارے ملکی بہائیوں کی ترقی ہو۔ مذکورہ بالا مضمون کے موافق فی الحال عمل آ رہا جاری ہے یا نہیں اسکو سوچنا اور سمجھنا ضرور ہے۔ علی ہذا یہ خیال کرنا بھی لازمی ہے کہ اس طریقہ سے طالب علم کے دل میں لیاقت کی محبت پیدا ہوتی ہے یا نہیں۔ جو علوم کہ مدرسہ میں سکھائے جاتے ہیں اونکی قدر طالب علم کو کس قدر معلوم ہوتی ہے۔ اور مدرسہ چھوڑتے ہی جو علم فراہم ہو جاتا ہے اسکا انتظام کرنا بہت ضرور ہے۔

خود سالی میں کسی ایک سبکدوش کی طرف لکون کو متوجہ کرنا ٹیک نہیں ہے۔ تعلیم کا صحیح طریقہ

اختیار کرنے کے لئے دنیوی طریقوں کا معلوم کرنا ضرور ہے۔ جس علم کی طرف لگاؤ ہو۔  
 اوسمین اپنی خواہش سے چلین تو یقین ہے کہ اسمین سنگاہ حاصل ہونے کا ایک عمدہ طریقہ مل جائیگا  
 کیونکہ طالب علموں کی طبیعت جس علم کی طرف دل سے رجوع ہوتی ہے وہ جلد حاصل  
 ہوتا ہے اور جس طرف کہ رجوع نہیں ہوتی اگرچہ اسکا حاصل کرنا کتنا ہی آسان کیونکہ  
 مگر اس کے حصول میں بڑی دقت معلوم ہوتی ہے پہلی نی کہتا ہے کہ جس شوق سے دلو  
 فرحت ہوگی اوسی میں کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ فی الحال ہندوستان میں جو  
 طریقہ تعلیم جاری ہے وہ گوانگلیٹڈ کے موافق ہے مگر اس طریقہ سے جیسا کہ چاہئے ویسا  
 فائدہ متصور نہیں ہے۔ کیونکہ وہ یہاں کے طبعی عادات کے بالکل برخلاف ہے۔ انگلیٹڈ  
 میں تعلیم کی نسبت مختلف رائیں ہیں۔ بعض کا قول ہے کہ طریقہ تعلیم تو یہی ٹھیک ہے لیکن  
 مدرسوں کی زیادتی ہونی چاہئے۔ اور اکثر لوگ اسکے برخلاف میں یہ کہتے ہیں کہ انگلیٹڈ  
 میں باوجودیکہ علم کی اس قدر ترقی ہے۔ مگر اس پر بھی جب غور سے دیکھا جائے تو تحقیق  
 شہر کے عوام لوگ جیسے مذب نظر آتے ہیں ویسے انگلیٹڈ کے خاص خاص لوگ بھی  
 نہیں دکھائی دیتے۔ جس صورت میں انگلستان کی یہ حالت ہے تو ہندوستان کا تو ذکر  
 ہی فضول ہے۔ یہ الزام اسمین شک نہیں کہ طریقہ تعلیم ہی پر عاید ہوتا ہے۔

انگلستان اور نیز ہمارے ملک میں نیچرل سائنس اور صنعت و حرفت کی تعلیم سربلیاقت  
 اور قابلیت میں بہت بڑی مدد ملتی ہے۔ لیکن ہمارے ملک کی بڑی بڑی درسگاہوں  
 میں صنعت و حرفت وغیرہ کی جانب کچھ بھی توجہ نہیں کی جاتی اور بجائے اسکے ایسے

علوم پڑھائے جاتے ہیں کہ جن سے معمولی کاروبار میں بھی کچھ نفع نہیں حاصل ہوتا۔  
 انگلستان میں بچوں کو صرف و نحو کے مسائل زبانی یاد کرانے کی نسبت ایک زمانہ سے  
 یہ اعتراض کیا جا رہا ہے کہ ان کا زبانی یاد کرنا کسی طرح سودمند نہیں ہے۔ کیونکہ جو لوگ  
 ویسے ہی خوش تقریر ہوتے ہیں اور صرف و نحو کے مسائل سے ذرا واقف نہیں ہوتے  
 وہ ان لوگوں سے زیادہ بڑھ کر لائق سمجھے جاتے ہیں کہ جو صرف و نحو کے مسائل سے  
 تو بہت کچھ واقف ہوتے ہیں۔ لیکن منہ سے ایک بات نکالنا نہیں جانتے۔“ مذکورہ بالا  
 بیان ملٹن سے نقل کیا گیا ہے۔ <sup>۱۱۵</sup> لاک کا بیان ہے کہ ہندوستان میں جس طرح یونیورسٹی کے  
 امتحان کی واسطے مدرسہ میں لڑکے تیار ہوتے ہیں اسی طرح انگلینڈ میں بھی تیار ہوتے  
 ہیں۔ مگر دنیوی کاروبار کی واسطے تیار نہیں ہوتے۔“ زمانہ موجودہ کی تعلیم کے طریقہ سے  
 دل چلپن اور روٹیک کی تعلیم نہیں ہوتی اور طالب علم جب قدر کسی ایک سبکدوش کی معلومات  
 حاصل کرنے کی طرف وقت صرف کرتا ہے اور اس قدر معلومات نہیں حاصل ہوتی۔ معمولی  
 مدرسوں اور نیز بڑے بڑے کالجوں میں زباندانی۔ شاعری اور حساب وغیرہ پر بہت  
 زور دیا جاتا ہے۔ کہہ سکتے ہیں کہ یہ سبکدوش کچھ ایسے ضروری نہیں ہیں۔ لیکن اس میں  
 کچھ شبہ نہیں کہ ان چیزوں کی تعلیم لیاقت اور قابلیت پیدا کرنے کے لئے نہایت ضروری ہے  
 مدرسہ کی تعلیم سے طالب علم کو کتابی معلومات کے سوا اور کسی قسم کا فائدہ حاصل نہیں ہوتا  
 اس سے اس کے دماغ پر توازن حد بار پڑتا ہے لیکن دل پر کچھ اثر نہیں ہوتا۔ تاریخ اور  
 جنگ و جدال کی بڑے بڑے مقامات کی طول طویل کتابوں سے طالب علموں کو دلوں

پر مجید بار پڑتا ہے اور اون میں سے جو مضمون کہ انکے ذہن نشین ہونا چاہئے تھا وہ نہیں ہو سکتا۔ اس قسم کی معلومات کی روزانہ کاروبار میں کچھ ہی ضرورت نہیں پڑتی کالج کے موافق مدرسوں میں بھی طریقہ تعلیم جاری ہے۔ بچوں کے تعلیم کے طریقہ کو بطریقہ مناسب بدلنا چاہئے۔ انکے دل میں علم کے حصول کی طرف مائل ہوں انکو اول اسکی طرف راغب کرنا چاہئے۔

کسی سبکدش کا لڑکے کو سکھلانے کے لئے ضد کرنا بیکار ہے۔ جس طریقہ سے لڑکوں کو تعلیم پانے کا شوق ہو اوسی طریق سے انکو تعلیم دلانی چاہئے۔ لڑکے نے اگر کچھ تھوڑا سیکھا ہو تو اسکو زائد خیال نہ کرنا چاہئے۔ جس سبکدش کی نسبت لڑکے کو شوق نہیں ہوتا اگر اس سبکدش کی تعلیم اسکو مدرسہ میں دلانی جائیگی تو وہ مدرسہ چھوڑنے کے بعد اسکو بہت جلد بولجائے گا۔ لڑکے کو جس علم کا شوق ہوتا ہے اگر وہی اسکو سکھایا جائے تو اس علم کے مسائل ہمیشہ اسکے ذہن نشین رہیں گے۔ اور وہ خود بخود اس کے نکات کو پہنچ جائیگا۔ ہر بات کو دریافت کرنا یہ لڑکوں کی فطرتی بات ہے اس فطرتی عمل کو ترقی دینا چاہئے۔ اگر لڑکوں کے دلی جہان کا خیال کر کے انکو تعلیم دی جائے تو وہ بہت جلد لیاقت اور قابلیت حاصل کر سکتے ہیں اکثر تعلیم کا طریقہ کچھ اس طرح کا ہوتا ہے کہ اس سے لیاقتی خواہش بالکل نابود ہو جاتی ہے اور علم سے اس کے سبب لڑکے بیزار اور متنفر ہو جاتے ہیں۔ اور تعلیم و تربیت کی نسبت جو تدابیر سوچی جاتی ہیں وہ سب بیسودا و بیکار ہو جاتی ہیں۔ حاصل کلام یہ کہ لڑکوں کی طبیعت میں سعی و کوشش کو مادہ

کو ترقی دیکراون میں غور و خوض کی عادت پیدا کرنی چاہئے تاکہ وہ اس سے اپنا وقت خوشی کے ساتھ گزار سکیں اور دنیوی کاروبار میں نیک راے اور اخلاق سے عمدہ راستہ حاصل کر سکیں۔

طالب علموں کے دل میں یہ بات ذہن نشین کرنا کہ ہم میں جو اس وقت فہم کا مادہ موجودہ دراصل ابھی کچھ ہی نہیں ہے اور لیاقت و قابلیت کے لحاظ سے ہم بالکل کورے ہیں اس میں شک نہیں کہ ان کے لئے بہت کچھ مفید ہے۔ <sup>۳۵</sup> ارسطو کا بیان ہے کہ ”عجائبات قدرت دیکھ کے جسکو حیرت ہوتی ہے وہی لیاقت میں ترقی کر سکتا ہے“

مدرسہ چوڑے پٹلمی عادت کبھی ترک نہ کرنی چاہئے بلکہ اسکو بعد میں بھی اسی طرح جاری رکھنا چاہئے۔ ہم اگر کسی کام میں سچپنس جائیں تب بھی ہمو اپنی خواہش کی موافق کسی ایک غلو کا شوق رکھنا چاہئے۔ کوئی فن ہو یا نہر۔ علم نجوم ہو یا کیمیا اسکو حاصل کرنے سے اطمینان قلب ہوتا ہے۔ اس دنیا میں انسان کے لئے اگرچہ بہت کچھ آرام کے سامان موجود ہیں مگر کبھی کبھی فکر اور مصیبت ہی آنے کا خوف رہتا ہے۔ اگر ایسا وقت آجائے تو چاہئے کہ جس علم کے ساتھ وابستگی ہو اس علم کی طرف دل کو متوجہ کر دین تاکہ رنج و مصیبت کا خیال نسیا ہو جائے۔

<sup>۱۱۶</sup> مل کا قول ہے کہ جو دل لیاقت و قابلیت کا حشر شپہ ہوتا ہے اس سے حسب و نحوہ سیری ہو سکتی ہے اور قوت ادراک اس سے بہت کچھ نفع اوٹھا سکتی ہے۔ جب کا دل حشر شپہ لیاقت ہوتا ہے اسکو ہر ایک چیز دیکھنے سے بے انتہا حظ حاصل ہوتا ہے۔

اپنی سعی و کوشش کے نتیجے کے مقابلے میں اگر کسی ایسے بچے کی محنت حاصل نہ ہو کہ جس سے مسرت حقیقی کا نتیجہ ہونا ضروری سمجھا گیا ہے تو خیال کرنا چاہیے کہ ہم کو اپنی علمی لیاقت اور قابلیت سے فیصدی ایک کی نسبت سے بھی نفع نہیں پہونچا۔ یہ خیال بہت صحیح اور درست ہے کہ صنعت اور حرفت کی جس قدر کہ ملک میں ترقی ہوگی اور کتابیں سیانتک از ان ہونگی کہ پڑھنے کے لیے وہ مفت دستیاب ہو سکیں گی اسی قدر لوگوں کی لیاقتیں درست ہو کر اون کی بہتری ہوگی ایسی علمی ترقی سے لوگوں کی لیاقت کا افلاس اور رنج دور ہو کر اون کے دل کو آرام حاصل ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہیے کہ لوگوں کے دلوں میں حصول علم کا شوق پیدا کرنے کے ساتھ ہی اون میں لیاقت آموجد ہوگی۔ اس لیے لڑکوں کو ایسی تعلیم ہونی چاہیے کہ اگر وہ جنگل میں بھی رہیں تو اون کو نفع ہو اور علمی معلومات ہو جانے کے بعد اگر علم کی جانب اس کا خیال اور دھیان متوجہ نہ ہو تو بڑی تعجب کی بات ہے اپنی ملکی تاریخ اور شاعری کا اون کو فخر ہوگا اور اس میں وہ محو ہونگے۔ حاصل کلام اگر چاہیں کہ ہمارے مدرسے فقط برائے نام نہوں بلکہ اون کے ذریعے سے تعلیم کی طری غرض حاصل ہو تو فضول تعلیم کو رد کرنا چاہیے اور ملک کے مدارس میں اس قسم کی تعلیم کو رواج دینا چاہیے کہ جس سے لڑکوں کو نیک ہدایت حاصل ہو کیونکہ اعلیٰ اور عمدہ تعلیم سے بچوں سے بڑھوں اور عیال سے بادشاہ تک کے لیے فائدہ متصور ہے۔

اگر بغرض محال اعلیٰ تعلیم سے اور کچھ فائدہ حاصل نہوگا تو یہ ضروری ہوگا کہ ہم اپنی لیاقت

خود اندازہ کر سکیں گے اور اگر ہم میں کسی قسم کی خامی رہ جائے گی تو اس کے پورا کرنے کی طرف متوجہ ہوں گے۔ جو لوگ اپنی زندگی کو باعثِ رخ و مصیبت سمجھتے ہیں ان کو معلوم ہو گا کہ ہم لوگوں کی غلطی سے جو طریقہ تعلیم جاری ہے اس کی وجہ سے ہماری زندگی ہم کو وبالِ جان نظر آ رہی ہے۔

ملٹن کا بیان ہے کہ عمدہ تعلیم سے طبیعت کی غلطی اور استبازی کی عمدہ تصویر بن کر نظر آتی ہے۔ لیکن کتنا بڑا ایک وقت ہو گا استبازی کی مدد مل جائے تو اپنے آرام کی پہرہ کیسے باقی نہ رہے۔ اس سے بڑھ کر اور کیا ہو گا کہ تعلیم کے عمدہ اثر سے ہم عطیاتِ خداوندی کی قدر کر کے اس کی ممنونیت اور احسانمندی کا دم بہرتے ہیں جس کی ضرورت ہر ایک مخلوق کو ہے۔



## سر جان لباک ایف آر بی ممبر پارلیمنٹ و صنف پلٹرس آف لائف کے حالات زندگی

مندرجہ عنوان فاضل اجل شخص کہ جسکی قابل قدر اور بیش بہا کتاب پلٹرس آف لائف سے ہم نے اپنی اس کتاب کی تدوین میں مدد لی ہے۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۲ء کو بمقام لندن سر جان ولیم لباک کی صلب اور میڈم ہیریٹ کے بطن سے تولد ہوا۔ سر جان ولیم لباک اپنے زمانے کا مشہور مهندس اور مہیت دان شخص تھا۔ اور میڈم ہیریٹ لفٹنگ کرنل جارج ہوٹم باشندہ یورک کی دختر تھی۔ اس طرح پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ سر جان لباک حساباً و نسباً عالی خاندان شخص ہے۔

اسکی ابتدائی تعلیم ایک پرائیویٹ اسکول میں ہوئی اور ابتدائی تعلیم سے فارغ ہونیکے بعد وہ ایٹن کے نامی گرامی کالج میں اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے بھیجا گیا۔ اسکا باپ سر جان ولیم لباک ایک بینک کا حصہ دار تھا۔ اوس نے اسکو اسکی چودہ برس کی عمر میں بینک کا کام بار میں مشغول کر دیا تھا اس نے بینک کے کاموں میں اپنی لیاقت کا اظہار اس درجہ کیا کہ لندن بینک کے شرکا اور مالکوں نے اس کو لندن بینک کی سوسائٹی کا آئیری سکریٹری بنالیا۔ اور بینک والوں کی مجلس کا پہلا میرٹخب ہوئی اسکو عزت حاصل ہوئی۔ اس مجلس میں دو ہزار کے قریب ممبر شریک تھے۔ اور گورنمنٹ کی جانب سے انٹرنیشنل کوآپٹیکیشن میں اسکو شرکت کی عزت دی گئی۔ پبلک اسکول

کیشت و ترقی علوم و حکمت کی مجلس کا یہی وہ ممبر منتخب کیا گیا علی دنیا میں شہرت عام اور بقا کے  
 دوام کی عزت اوس کو اوسى مختلف تصانیف سے حاصل ہوئی جن میں سے کہ چند کا  
 اس موقع پر ذکر کر دینا شاید نامناسب نہ ہوگا۔ جس وقت اوس نے انشینیٹ پبلشرز  
 اینڈ ایجنس آف مین کتاب مشترک کی اوس وقت اوس کو زیادہ شہرت ہوئی علاوہ اس کے  
 اوسکی تصنیفات میں پری ہند رک ٹائٹلس اور اور یجن آف سویزیشن اینڈ دی پریٹو  
 کنڈیشن آف مین جو کہ سنہ ۱۸۷۸ء میں طبع ہوئی تھی اور یورپ کی خاص خاص زبانوں میں  
 اوس کا ترجمہ ہوا تھا زیادہ مشہور ہیں۔ نیچرل فلاسفی بھی اوسکی اکثر تصانیف قدر اور وقت  
 کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اوس نے جو ایک کتاب لکھیں اور چوٹیوں وغیرہ کے  
 بیان میں لکھی تھی اوسکی ملک نے یہاں تک قدر زیادہ کی کہ ایک سال کے اندر ہی انڈیا  
 اوس کے پانچ ایڈیشن طبع ہو کر مطبع سے نکلیں علاوہ بسو واکتابوں کے اوس نے اکثر  
 مضامین زوالاجی - فزیالوجی - آرکیولوجی - کے متعلق بھی تحریر کئے ہیں جن کو کہ وقتاً  
 فوقتاً اوس نے رائل سوسائٹی سوسائٹی آف اینٹی کوثرین - اور برٹش ایسوسی ایشن  
 وغیرہ میں پڑھا ہے۔ ۱۸۸۱ء میں وہ برٹش ایسوسی ایشن کا پریزیڈنٹ منتخب ہوا اور  
 مدتوں تک وہ ایٹنولوجیکل - اینٹونیولوجیکل سوسائٹیوں کا بھی ممبر مجلس رہا۔ میڈیٹون  
 کی طرف سے وہ دو مرتبہ ممبر پارلیمنٹ منتخب کیا گیا۔ ممبر پارلیمنٹ ہونے کی حیثیت سے  
 اوس نے ہوس آف کامنس میں تعلیمات اور فنانس کے متعلق اکثر دہوان دھار  
 تقریریں کیں۔

۱۸۷۷ء میں برٹش میوزیم کا وہ ٹرسٹی منتخب ہوا۔ اور اسی سال ڈبلن یونیورسٹی نے  
 اوس کو ایل ایل ڈی کے خطاب سے سرفراز کیا۔ علاوہ ازیں اسکو کسفورڈ یونیورسٹی  
 سے ڈی۔بی۔ایل۔ اور دوزبرگ یونیورسٹی سے ایم ڈی کا افتخار بھی حاصل ہے  
 پولیٹیکل بائیں مین اوس کو یونیٹ پارٹی سے تعلق ہے۔



## ضمیمہ

نمبر ۱۔ سنی کا تین سال قبل اوسنچ ملک اسپین میں تولد ہوا۔ یہ شخص بہت بڑا فلاسفر اور وکیل تھا۔ اسپین میں جو نروبادشاہ تھا اوس کا یہ استاد ہی تھا۔ بادشاہ نے اپنی مختاری کے زمانے میں دشمنی سے اسپر بی سو کے مشورے میں شامل ہونے کا الزام قائم کر کے اوس کے قتل کا حکم دیا۔ اول تو اوس کو زہر پلویا گیا مگر اوس زہر کا کچھ اثر نہونکی وجہ سے اوسکی گین کٹوا دی گئیں اسپر ہی بادشاہ کو اطمینان نہواپکتے پانی میں ڈلوادیا۔ بعد ایک سہٹی میں ڈال کے جلوادیا۔ یہ ماجرا ۱۷۷۷ء میں گذرا۔

سنی کا نے اخلاقی مضامین پر چند کتابیں تصنیف کی ہیں ماسوائے اس نے دس ناولک بھی بہت ہی درد انگیز لکھے ہیں۔

نمبر ۲۔ ہومر کا زمانہ حضرت مسیح علیہ السلام سے نو صدی قبل گذرا ہے۔ یہ یونان کا باشندہ تھا اور نظم کا موجد خیال کیا جاتا ہے۔

نمبر ۳۔ شیخ مصلح اقدس سعدی شیرازی علیہ الرحمہ ۱۱۷۵ء میں تولد اور ۱۲۹۲ء میں فوت ہوئے۔ فارسی زبان میں اوکی اکثر کتابیں موجود ہیں جس میں سے گلستان اور گریز یادہ مشہور ہیں ایشیا میں یہ اوس کا شاعر شمار ہوتا ہے کہ یورپ میں جس پائے کا شیکسپیر خیال کیا جاتا ہے۔

نمبر ۴۔ رسلین ۱۸۱۹ء میں شہر لندن میں پیدا ہوا۔ یہ ایک نجا رکالڑکا تھا۔ رسلین کی تعلیم افسفور ڈیونپورسٹی میں ہوئی اور اوس نے ایلم کی ڈگری حاصل کی۔ رنگ سازی

اور صنعت کے متعلق اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

نمبر ۵۔ ہنری ٹیلہ ہیام شایر کے مدرسے کا پرنسپل تھا۔ ۱۷۸۸ء کو اس کا انتقال ہوا۔ سن نامی اخبار ایسکی لڑکی نے جاری کیا تھا۔

نمبر ۶۔ سر ٹی براون ۱۷۷۵ء کو مقام ایڈنبرا علاقہ اسکاٹ لینڈ میں پیدا ہوا۔ یہ ایک بڑا فلاسفر تھا۔ اس نے ۱۸۲۲ء میں انتقال کیا۔

نمبر ۷۔ سنٹ برنارڈ برگندی کے ایک سردار کا بیٹا تھا۔ ۱۷۷۲ء میں وہ پیدا ہوا تھا۔ صلیبی رانوں کے زمانے میں وہ عیسائیوں کو جوش دلانے پر مامور کیا گیا تھا۔ چونکہ صلیبی رانوں میں عیسائی کامیاب نہیں ہوئے تھے اس لیے وہ اس رنج میں ہلاک ہو گیا۔

نمبر ۸۔ مارکس ارچی اس ۱۷۷۲ء میں پیدا ہوا۔ انتونی اس یاس کا داماد تھا۔ ۱۷۷۶ء کو مارکس ارچی اس روم کے تخت پر بیٹھا۔ اس سے قبل تخت روم پر اس کے موافق لائق اور نیک مزاج پادشاہ دوسر کوئی نہیں گذرا ہوگا۔ اس نے اخلاق کے متعلق چند رسالے تصنیف کیے ہیں جو اب تک مشہور ہیں۔ یہ بڑا بہادر شخص تھا۔ ۱۸۰۰ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۹۔ آبی گسٹس ۱۷۹۵ء میں شہر روم میں رہتا تھا اور اخلاقی مضامین پر طبع آزمائی کیا کرتا تھا۔ اس کا شیاٹک طریقہ تھا۔ اسکی تصنیف کا پہلا حصہ نابود ہے۔ اس کے تولد اور وفات کی تاریخ کی نسبت پتا نہیں چلتا۔

نمبر ۱۰۔ جی کن ۱۷۷۵ء میں تولد ہوا چونکہ یہ نہایت فکی الطبع اور ذہین تھا اس لیے اسے

صفر سنی ہی میں تحصیل ختم کر تی تھی انگلستان کی حکومت میں وہ بڑے بڑے عہدوں پر فراز  
 رہا۔ چیف جسٹس کی حالت میں اسپر رشوت ستانی کا مقدمہ دائر ہوا اور اس کو سزا بھی  
 ہوئی اخلاقی مضامین اس کی متعدد تصنیف موجود ہیں۔ ۱۶۲۶ء میں اس نے انتقال کیا۔  
 نمبر ۱۲۔ ہلم ہونز ۱۶۷۷ء میں پیدا ہوا۔ اس نے فلسفہ کی تعلیم پائی تھی۔ اس کو روم  
 شہر میں پریشیا کے بادشاہ کی طرف سفیر مقرر کر دیا گیا تھا۔ اس کے بعد وہ پریشیا کے بادشاہ  
 کا کونسلر مقرر ہوا۔ اور پھر تھوڑے روز کے لیے اس کو کام سے علیحدہ کر دیا گیا ۱۶۳۵ء  
 میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے انتقال سے کل جرمن کو بہت رنج ہوا۔

نمبر ۱۳۔ کباس ٹیلر ۱۶۳۲ء میں پیدا ہوا۔ یہ بہت بڑا معزز تھا۔ میاڈانڈ کی یونیورسٹی میں  
 تاسیخ اور فلسفہ کا پروفیسر تھا۔ وہاں ایک بہت بڑا بلوا ہوا اس بلوے میں شریک ہو کر  
 شبہ پر اس کو سپانسی کی سزا ملی تھی مگر وہ فرار ہو کر بچ گیا تھا چند دن کے بعد وہ کاٹیج کا  
 پریسیڈنٹ مقرر ہوا اس کی تصنیف کی بہت سی کتابیں ہیں۔

نمبر ۱۴۔ سوانا دل پاڈووا شہر کا ایک شہور حکیم تھا۔ اس کے باقی حالات کچھ  
 نہیں معلوم۔

نمبر ۱۵۔ گریک شہر روم کو کہتے ہیں۔

نمبر ۱۶۔ جو پیٹر قدیم یونانیوں کا دیوتا اور سائٹرن آیس کا لڑکا ہے۔ اس کی بہت سی  
 جگہ پر عبادت بنے ہوئے تھے۔ اس کی مورت میں بکری کا سینک ہوتا تھا۔

نمبر ۱۷۔ برویز ۱۶۲۳ء کو شہر لندن میں پیدا ہوا۔ اس نے خور و سالی کا زمانہ اکثر اوباش

اور شہر یوگونکی صحبت میں بسر کیا۔ درس سے علیحدہ ہونیکے بعد اس نے بہت کچھ حاصل کیا۔ یہ علم حکمت اور علم حساب کا عالم کہلاتا تھا۔ ۱۶۶۱ء میں وہ کیمبرج یونیورسٹی میں یونانی زبان کا پروفیسر مقرر ہوا۔ بعد ۱۶۶۲ء میں جیامیٹری کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اوس کے بعد لندن یونیورسٹی کا وائس چانسلر مقرر ہوا۔ چارلس دوم بادشاہ انگلستان کی اس پر بہت بڑی عنایت تھی۔

نمبر ۱۹۔ ایمرسن امریکا کا فلاسفر اور مشہور مضامین نگار شخص تھا۔

نمبر ۲۰۔ اپنی کیورس ۱۴۳ سال قبل از مسیح اتینغر علاقہ یونان میں پیدا ہوا۔ یہ ایک بڑا مشہور اور لائق شخص تھا۔ اس کی وفات کی تاریخ کا پتا نہیں چلتا۔

نمبر ۲۲۔ سقراط ۴۶۹ سال قبل از مسیح پیدا ہوا۔ حکماء یونان میں ایک سربراہ و رہبر شخص تھا۔ اسکا باپ سنگ تراشی کا کام کیا کرتا تھا۔ سقراط بہت ہی صاف گو شخص تھا وہ ہمیشہ تینفر کے نوجوانوں کو راستبازی اور فرض انسان کی نسبت نصیحت کرتا رہتا تھا۔

دہان کے حاکمون کو یہ بات ناگوار معلوم ہوئی اور انہوں نے اسپر اغوا کا الزام لگا کر ۳۹۹ سال قبل از ولادت حضرت مسیح علیہ السلام زہر کے ذریعے سے اوس کو ہلاک کیا۔

نمبر ۳۳۔ پی ٹرسٹ ۱۸۳۹ء کو شہر لندن میں پیدا ہوا۔ اکسفورڈ یونیورسٹی کے کوننس کالج میں اس نے ایم اے تک تعلیم پائی تھی۔ تعلیم سے فارغ ہو کر اوس نے فرانس اور اطلی کا سفر کیا۔ اس کی تصنیف کی بہت سی کتابیں مشہور ہیں۔

نمبر ۳۴۔ چیمباک والٹن ۱۷۹۳ء میں بمقام اسٹافورڈ پیدا ہوا۔ خورد سالی میں اس کو

کچھ عہدہ تعلیم نہیں ہوئی تھی۔ بچپن میں وہ کپڑا بچھاگلے کو بچون میں پہرا کرتا تھا۔ پہرہ ایسا لائق و فائق ہوا کہ اوس زمانے کے لائق لوگوں میں اوسکا پایہ بھی بہت بلند سمجھا جاتا تھا۔ اسکی تصنیف میں انگلستان ہی ایک کتاب ہے جسکو لوگ اب تک شوق سے مطالعہ کرتے ہیں ۱۶۸۳ء میں اوس نے انتقال کیا۔

نمبر ۲۵۔ جرمی ٹیلر ۱۶۱۳ء میں بمقام کیمبرج پیدا ہوا۔ اسکا باپ اصلاح ساز تھا جرمی ٹیلر انگلنڈ پیرچ کا بی شپ بھی رہا ہے۔ کراہیبول کے زمانے میں اوس نے مجلس کی دو وقت سیر کی وہاں سے رہائی پائی بعد اسکو ڈوبلین کے ٹرے نی کالج کا وائس چانسلر بنایا گیا تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں جو اب تک مشہور ہیں ۱۶۶۶ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۲۸۔ سینر حضرت مسیح علیہ السلام سے ۱۰۰ سال قبل تولد ہوا یہ بڑا نامی جبار جنرل اور فصیح مقرر تھا۔ اوس نے فرانس اور انگلستان پر چڑھائی کی۔ اور وہاں سے بہت سامان و دولت اس کے ہاتھ لگا۔ پاپسی کے دل میں اسکی طرف سے بغض بیٹھ گیا تھا۔ سینٹ نے اس کو اس کے عہدے سے علیحدہ کر دیا۔ سینر نے کچھ فوج جمع کر کے پاپسی کا مقابلہ کیا اور سلطنت روم پر وہ حملہ آور ہوا۔ اثنائے جنگ میں اسکو کسی نے پاپسی کا سر کاٹ کر لا دیا۔ جسکو دیکھ کر اسکی آنکھوں میں آنسو بہ آئے۔ سہم برس قبل مسیح روم کے لوگوں نے اوس کا سر تن سے جدا کیا۔ اس کی کل عمر ۶۵ سال کی ہوئی۔

نمبر ۲۹ - یائرس ۲۱۸ سال قبل از مسیح ایک مشہور شاہی خاندان میں پیدا ہوا۔ یہ کسی راس بادشاہ کا لڑکا تھا۔ خدا نے اس کو خورد سالی میں ہی یتیم بنا دیا تھا۔ لوگوں نے اسکی کم سنی میں اس کو تخت نشین کر دیا۔ سکندر اعظم کے ہمراہ رکاب رہتا تھا۔ اس نے رومن لوگوں سے بہت سی لڑائیاں لڑی تھیں۔ اگر کسی جنگ میں رومن لوگوں سے لڑتے وقت ۲۷۲ سال قبل از مسیح مارا گیا۔ اسکی سوانح عمری پلوٹارک نے بہت عمدگی سے لکھی ہے۔

نمبر ۳۱ - ہیلیس انگریزی مورخ اور مضامین نگار شخص ہے اسکی پیدائش ۱۸۱۷ء اور ۱۸۷۵ء میں وفات ہوئی۔

نمبر ۳۲ - افلاطون ۴۲۹ سال قبل از مسیح پیدا ہوا۔ اس کا سابق کا نام ارسطو کلیج تھا۔ اول یہ بڑا شاعر تھا جب اوس نے سقراط کی شاگردی اختیار کی تو اپنے تمام اشعار کو جلا کر اوس نے خاک سیاہ کر دیا۔ سقراط کے انتقال کے بعد وہ اقلیدس کے پاس جیامسٹری سیکھنے گیا۔ اوس کے بعد وہ مصر اور اٹلی کا سفر کر کے شہر اتھنس پہنچا۔ اس نے نامزد زیت شادی نہیں کی۔ اسکی تصنیف کی ہوئی رسی پبلک اور ڈیالگس یہ دو کتابیں بہت مشہور ہیں۔ یہ بہت بڑا فلاسفر تھا۔

نمبر ۳۳ - یونی سس طرے کی جنگ میں شریک تھا۔ یہ شخص ملک گریک کا پادشاہ کہلاتا تھا۔ آدھی سی نامی شعرون میں اس کے حالات پائے جاتے ہیں۔

نمبر ۳۴ - حضرت سلیمان یہ یہودیوں کے بادشاہ تھے۔ ۱۰۳۳ برس قبل از مسیح آپ کا تولد ہوا۔ آپ کے والد کا نام حضرت داؤد اور والدہ کا نام بات شوبا تھا۔ ۱۰۱۵ برس قبل از مسیح حضرت سلیمان تخت نشین ہوئے یہ بہت ہی باعرب بادشاہ تھے۔ آپ ہی کے

زمانے میں یہودیوں نے بہت عروج حاصل کیا۔ اپنی لیاقت مشہور تھی اس لیے بہت دور و دراز کے لوگ آپ کے مرید بننے کی غرض سے بیت المقدس کو آتے تھے۔ اخلاق کے متعلق آپ کی بہت کچھ تصانیف مشہور ہیں۔

نمبر ۵۳۔ حکیم ارسطو حضرت مسیح علیہ السلام سے ۳۸۴ برس قبل تولد ہوا۔ اس کے باپ کا نام لقو ماجس تھا۔ حکیم ارسطو کے مان باپ اوسکی کم سنی میں انتقال کر گئے تھے ارسطو نے حکیم افلاطون سے تعلیم پائی تھی۔ از عباس کے پادشاہ کی ہمیشہ سے حکیم ارسطو کی شادی ہوئی۔ ایتینز کے پادشاہ فلپ نے اپنی لڑکی سکندر کی تعلیم کے لیے اوس کو استاد مقرر کیا تھا۔ ارسطو کی عمر کی نسبت مختلف روایتیں ہیں بہر حال ۶۰ برس کی عمر میں اوس نے انتقال کیا۔

نمبر ۵۴۔ صابارت کو قبل از مسیح تین ہزار سال سنسکرت زبان میں بیاس جی کی تصنیف کیا تھا۔ اس میں کورہ اور پانڈو کی جنگ وغیرہ کے حالات بہت ہی خوبی کے ساتھ بتلائے گئے ہیں اور اس میں پائیکس اور اخلاق اور فلاسفی وغیرہ اس قسم کے مضامین بہت سے ہیں تاریخی معلومات کی کتاب اس سے بہتر کوئی دوسری کتاب سنسکرت زبان میں نہیں ہے۔

نمبر ۵۵۔ بوہتی اس ششکے کو شہر روم میں ایک تونگر خاندان میں پیدا ہوا۔ اس نے ۱۰ سال کی عمر تک بہت شوق سے شہر ایتینز میں علم حاصل کیا اس کے بعد وہ ششکے میں اوڈوسل پادشاہ کا کونسلر مقرر ہوا اور وہاں اسپر الزامات قائم کیے گئے اور قید کی سزا

ہنگت کر ۲۳ اکتوبر ۱۹۲۶ء کو قتل ہوا۔ اس کی اکثر تصنیفات مشہور ہیں۔

نمبر ۳۹۔ زینوفان شہر ایتھنز کا ایک مشہور بہادر۔ فلاسفر اور مقرر تھا۔ ۴۴۴ برس قبل از مسیح پیدا ہوا۔ زی نوفان سقراط کا خاص شاگرد تھا۔ ایران وغیرہ کی دو تین جنگ میں وہ شریک تھا۔ جنگ وغیرہ سے فارغ ہونے کے بعد علمی آشرہ کے قریب گلستان مقام میں اوس نے اپنی سکونت قرار دی اور وہاں اوس نے بہت سی کتابیں تصنیف کیں۔ ۳۵۹ برس قبل از مسیح بمقام کرپٹ اوس نے انتقال کیا۔

نمبر ۴۰۔ انتونی اس اسکادو ستر نام لکس ارمی بی اس ہے دیکھو لائف نمبر (۸) نمبر ۴۱۔ ریچرڈ بری ۱۸۲۷ء میں بمقام بری سنٹ ایڈمنڈ پیدا ہوا۔ یہ ایک بڑا لائق اور ہوشیار شخص تھا۔ ایڈورڈ سوم کی تعلیم کے لئے اس کو مقرر کیا گیا تھا۔ ۱۸۷۳ء میں ڈراما کانسٹنٹی کے بعد وہ انگلینڈ کا چانسلر اور خزانہ دار مقرر ہوا۔ ۱۸۷۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۴۲۔ پی ڈی آر سن ۱۸۳۷ء کو گسنی میں پیدا ہوا۔ اس نے یونانی اور لاطینی زبان خوب حاصل کی اور آتالی زبان میں جید دیوان بھی تصنیف کیے۔ یورپ میں علمی ترقی کی نسبت اس نے بہت کوشش کی تھی۔ اس نے بہت سے ملکوں کا سفر بھی کیا تھا۔ ۱۸۷۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۴۳۔ سودی ۱۸۷۷ء کو برٹل میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ سن کے پارچہ کی تجارت کیا کرتا تھا۔ سودی کے چچا نے اس کو پادری بنانے کی غرض سے اگسٹو ڈکانچین

اس کو داخل کر دیا تھا۔ فرانس کے انقلاب عظیم کی وجہ سے اس کے خیالات بدل گئے اور جمہوری پولیٹیکل بن گیا۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں ۱۸۳۳ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۵۴۴۔ یکین ۱۸۳۷ء کو کبورتھ ہار کورٹ میں پیدا ہوا۔ ایڈنبرا یونیورسٹی میں اسکی تعلیم ہوئی۔ اس نے ڈاکٹر بن فیلڈ کے ہمراہ سوانح عمری کا ایک مجموعہ لکھنے میں ۱۶ سال کا زمانہ صرف کیا۔ اور اس کے مدتوں بعد تک نشتلی گزیرین کا ایڈیٹر رہا ۱۸۳۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۵۴۵۔ ابو محمد نظام الدین ۱۱۷۷ھ کو گنجا علاقہ اسیران میں تولد ہوا۔ یہ شخص مشہور شاعر تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر شعر شاعری میں صرف کی۔ اس نے سکندر نامہ اور دوسری کتابیں تصنیف کی ہیں۔ سلجوقی خاندان کے بادشاہ نے اس کو اپنی مصاحبت میں رکھنے کی غرض سے طلب کیا مگر اس نے آنے سے انکار کیا ۱۲۰۹ھ میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۵۴۶۔ ڈیاس تیس حضرت مسیح سے ۳۸۲ برس قبل بمقام اتینن ایک بتیار ساز کے ہاں پیدا ہوا تھا۔ صغریٰ میں باپ کے مرجانے سے سن بلوغ کو پہنچنے تک تعلیم سے محروم رہا۔ جوانی میں جا کر اس کو حصول علم کا شوق پیدا ہوا اور تھوڑے ہی دنوں میں ایسا بلوغ فصیح اسپیکر بن گیا کہ یونان بہر میں اپنا ثانی نہیں رکھتا تھا بلکہ سلطنت روم میں بھی اس کے ہم پلہ سوائے سنیور کے اور کوئی نہیں تھا۔ اس کی جفاکشی اور

مستقل مزاجی کی مثال میں مورخین نے مفصلہ ذیل بیان پیش کیا ہے۔  
 ”اوسکی زبان میں لگنت کا عیب تھا جسکو اوس نے اس طرح صاف کیا کہ جب وہ تقریر کرتا  
 کہڑا ہوتا تو منہ میں کنکریاں ڈال لیتا۔ اوسکی آواز نہایت ملائم اور پھی تھی اوس نے اوس کی  
 اصلاح اس طرح کی کہ جب اوسکو بھاگتے بھاگتے یا پہاڑ پر چڑھتے ہوئے دم چڑھ جاتا تھا تو  
 اوسوقت وہ اشعار اور تقریریں زبانی پڑھ کر اپنی سانس بڑھایا کرتا تھا۔ اوس نے یہ خیال  
 کر کے کہ طبیعت انسانی فطرتاً ایسی واقع ہوتی ہے کہ حکمران اوسکو ایک کام کرنا گران گذرنا ہر  
 اپنے شغل کتب بینی اور مطالعہ کے لیے ایک تہ خانہ بنایا تھا کہ جس میں وہ اکٹھا دودو اور  
 تین تین میٹھے بند رہتا اور کتب بینی کیا کرتا۔ اوسکی یہ کرتا کہ اپنا نصف سر منڈا ڈالتا اور نصف  
 ویسی ہی چھڑویتا۔ اور جب تک سر کے بال برابر نہو جاتے اوس وقت تک وہ اوس سے باہر  
 نہ نکلتا اور مشغول بہ مطالعہ رہتا۔“ (دیکھو رسالہ حسن جلد ششم نمبر ۶) میں مضمون الترقی  
 حیات ذی القرنین مرقومہ مولوی مجیب احمد صاحب تمنائی)

نمبر ۴۸۔ یہ لوک لیڈ۔۔۔ ۳۳ سال قبل امسیح تولد ہوا۔ اس کا وطن اسکندریہ ہے جیساٹری کا  
 طریقہ اس نے ہی ایجاد کیا ہے

نمبر ۴۹۔ سر اسحق نیوٹن متاخرین میں سب سے زیادہ مشہور فلاسفر مہندس اور ماہر علم  
 ہیئت گذرا ہے۔ بمقام دوںہروپ ملک علم کو پیدا ہوا تھا۔ کیسبرج میں تعلیم پا کر اوس نے  
 بائیس سال کی عمر میں بی۔ اے کی ڈگری حاصل کی اور دوہرین کی ساخت میں مصروف ہوا  
 تسلسل کا قاعدہ دریافت کیا اور زمین کی کشش ایک سیب کے گرنے سے معلوم کی۔

۱۶۶ء میں وہ پروفیسر ریاضی مقرر ہوا۔ اور زبان لاطینی میں اس نے علم مرآۃ پر محققانہ لکچر دیئے۔ ۱۶۷۱ء میں رائل سوسائٹی کے عالم و فاضل ممبروں کے سامنے اس نے روشنی اور الوان کی نسبت اپنی نئی تحقیق ظاہر کی۔ اور اپنی ایجاد کی ہوئی دوربین سے اپنے بیانات کا مشاہدہ کرایا۔ بعدہ وہ ممبر پارلیمنٹ منتخب ہوا۔ ۱۶۹۹ء میں رائل سوسائٹی کا صدر انجمن بنایا گیا تھا۔ ۱۷۰۳ء میں پیرس کی دار الحکومت کا ممبر منتخب ہوا اور ۱۷۰۷ء میں ملکہ آئن کے حضور سے نائٹ ہڈ کے معزز خطاب سے سرفراز کیا گیا جس طرح یہ ایک اعلیٰ فلاسفہ تھا اسی طرح اس کو عیسائیت میں بھی بڑا غلو تھا۔ اس کے حالات پڑھ کر آج کل کے ان فلاسفروں کو عبرت پکڑنی چاہیے کہ جو مذہب کو فلسفہ کے سرحد سے کر بیٹھتے ہیں۔ اسکا مقولہ تھا کہ ”میرے سامنے صد اقدتوں کا ایک سمندر بڑھ پایا ہے“ جو صین مار رہا ہے اور میں اپنے آپ کو اوس کے سامنے نہایت ہی حقیر پاتا ہوں“ ۲۰ مای ۱۷۲۷ء کو اوس نے انتقال کیا اور ویسٹ منسٹر میں دفن ہوا۔ (دیکھو عربوں کی گذشتہ تجارت صفحہ ۵۵ مصنفہ مولوی مجیب احمد صاحب تنہائی)

نمبر ۵۱۔ سر جان ہنرل مشہور جرمن ہیئت دان ہے۔ ۱۷۳۸ء میں اسکی پیدائش اور ۱۸۲۷ء میں وفات ہوئی۔

نمبر ۵۲۔ ریچرڈ سن ۱۸۲۸ء میں بمقام سومرلی پیدا ہوا۔ گلاس کو یونیورسٹی میں اس نے فن ڈاکٹری سیکھا۔ ڈاکٹری کے متعلق اسکی تصنیف کی جوین بہت سی کتابیں ہیں جن کے صلے میں اوس کو بہت سا انعام ملا تھا۔ سنٹ انڈریوز یونیورسٹی نے اوس کو

ایل ایل ڈی کا خطاب عطا کیا تھا۔

نمبر ۵۳۔ بی ہنٹ مشہور شاعر اور مضامین نگار ہے۔ ۱۸۴۲ء میں پیدا ہوا اور ۱۸۵۹ء میں فوت ہوا۔

نمبر ۵۴۔ کارلائل قدیم زبان کا عالم اور شاعر تھا۔ اس نے لارڈ الیجن کے ہمراہ بہت سفر کیا۔ ۱۸۰۸ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۵۵۔ حکیم کنفونتش سلطنت لوین ۱۵۵۱ء سال قبل از مسیح موسم سرما میں تولد ہوا۔ اس کے والد کا نام ہنری تھا۔ یہ ایک بڑا مشہور دلاور سپاہی تھا۔ کنفونتش کی شادی ۲۰ سال کی عمر میں ہوئی تھی۔ شادی کے تھوڑے ہی دنوں بعد اس نے بیوی کو طلاق دے دی۔ کنفونتش نے ۲۹ سال کی عمر میں ایک لائق استاد سے علم موسیقی سیکھا۔ بعد چند دن کے سلطنت لوکا وزیر ہوا اور وہاں کا انتظام اس نے بہت عمدگی سے کیا۔ چونکہ پادشاہ نہایت عیش و عشرت پسند تھا اس لیے اس نے عمدہ وزارت سے استعفا دیا اور اس وقت اس کی عمر ۵۶ سال کی تھی۔ کنفونتش ۳۱ سال تک سیاحی کرتا رہا۔ اس کے بعد وہ پادشاہ کی طلبی پر پھر سلطنت لوین واپس آیا۔ کچھ دن وہاں رہ کر وہ بیمار پڑا اور اس ۳۱ سال قبل از مسیح اس نے انتقال کیا اور اس کے شاگردوں نے اس کو بہت دھوم دھام سے دفن کیا۔

نمبر ۵۶۔ سر ڈالٹر اسکاٹ ۱۷۷۸ء کو ایڈنبرہ میں تولد ہوا۔ یہ شخص مشہور فسانہ نویس تھا۔ ۱۸۹۶ء میں اس نے ایک جبر میں کتاب کا ترجمہ کیا۔ ۱۸۰۵ء میں اس نے ایک

دیوان تصنیف کیا۔ اسکا پہلا ناول ۱۸۱۴ء میں طبع ہوا۔ اس وقت اسکاٹ کے ذمے ایک لاکھ تیس ہزار پاؤنڈ کا قرض تھا۔ اس نے اپنے قرض خواہوں کو اطمینان دلایا کہ میں کتابیں تصنیف کر کے تمہارا قرضہ ادا کروں گا۔ ۱۸۳۲ء میں اس کا انتقال ہوا نمبر ۵۷۔ ہناگری لندن شہر میں پیدا ہوئی۔ اس نے اپنی خورد سالی ببارس میں ختم کی۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ اس کا باپ ولیم میک نس ہناگری بہت بڑا مشہور ناوسٹ تھا۔

نمبر ۵۹۔ لٹن ۱۸۳۱ء میں پیدا ہوا۔ اس کو شاعری میں بہت بڑی مہارت حاصل تھی واشنگ ٹن میں بٹش گورنمنٹ کی طرف سے اٹاچی رہا۔ اور ہندوستان کا گورنر جنرل اور وائسرائے مقرر ہو کر ہندوستان میں آیا۔ اس کے عہد حکومت میں قابل ذکر باتیں حسب تفصیل ذیل ہیں۔ دربار دہلی جنگ افغانستان۔ قحط سالی۔ پریس ایکٹ جاری ہو کر اخباروں کی آزادی کا خاتمہ۔ اسکی تصنیف کی ہوئی بہت سی کتابیں مشہور ہیں۔

نمبر ۶۰۔ ٹراووپ ۱۸۱۲ء کو انگلنڈ میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم ون چیسٹر اور اکسفورڈ میں ہوئی اس نے اکثر سفر نامے اور تاریخیں لکھی ہیں۔

نمبر ۶۱۔ ڈاروین ۱۸۴۵ء میں پیدا ہوا کیمرج کے ٹرنٹی کالج میں اسکی تعلیم ہوئی۔ اسنے سائنس اور جیالوجی میں پورا کمال پیدا کیا۔ انسان کی ابتدا بندر سے ہونے کے خیال کا یہ موضوع ہے اس کے متعلق اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں نیچر اور نیچر فیک اخبار میں اس کے بہت سے مضامین ہوتے ہیں۔

نمبر ۴۲۔ رسی بنان ۱۸۲۳ء میں پیدا ہوا۔ عربی عبرانی وغیرہ زبانوں کا عالم تھا۔ عیسوی مذہب کے متعلق اوس نے اکثر کتابیں تصنیف کی ہیں۔

نمبر ۴۳۔ سسر ایک مشہور روس فلاسفر و لکچرار اور شریف خاندان شخص تھا۔ ۱۰۶۵ برس قبل از مسیح ابی ایم مقام میں پیدا ہوا تھا۔ اسکی لیاقت مشہور تھی۔ اس نے اپنی عمر کے چھبیسویں سال وکالت کا پیشہ اختیار کیا اور اس کے بعد اوس نے بہت سی اعلیٰ اختتام دین۔ پھر چند دنوں کی بعد کو نسلبر مقرر ہوا۔ جمہوری انتظام کی نسبت اوس نے کچھ کوشش کی تھی اس لئے اس پر بہت سی مصیبتیں گذرین اور اسکو شہر بدر کر دیا گیا بعد حاکم اور دوسرے لوگوں نے اس کو پھر واپس بلوایا۔ اوس کے جانی دشمن انٹونی نے گیسٹ شہر کے قریب ۴۳ برس قبل از مسیح اوس کو جان سے مروا دیا۔

نمبر ۴۴۔ فرڈرک ہیرسن ۱۸۳۱ء کو شہر لندن میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم لندن کے کنگس کالج میں ہوئی۔ اسکی اکثر تصنیفات ویسٹ منسٹر ایلو اور نانٹینجہ سچری کے ماہانہ رسالوں میں طبع ہوئی تھیں۔ اور پارلیا منٹ میں یہ سر جان لباک کے خلاف پارٹی میں شریک تھے۔

نمبر ۴۵۔ لارڈ مکالی ۱۸۰۱ء کو بی سسٹر شہر میں پیدا ہوا۔ اس کے اکثر مضامین پبلکس اور سٹری کے متعلق ہیں۔ اس نے جو لارڈ کلائیو اور ٹکس وغیرہ کی سوانح عیاران لکھی ہیں وہ بہت مشہور ہیں۔ موجودہ زمانے کے ہندوستان کا تعلیم کا طریقہ اسی کی ترتیب پر قائم ہوا ہے۔ ہندوستان کی نسبت اس نے بہت سے قانون بنائے تھے

۱۸۷۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۶۶۔ سر جان ٹروی لین ۱۸۳۸ء کو راکلی میں پیدا ہوا اس کی تعلیم ٹریٹی کالج میں ہوئی۔ اب وہ پارلیا منٹ کا ممبر ہے۔ اس کے اکثر مضامین رسالہ پیکلین میں شائع ہوتے ہیں۔  
نمبر ۶۷۔ اسٹرن ۱۸۲۲ء میں آئرلینڈ میں پیدا ہوا۔ یہ علم حکمت سے خوب واقف تھا۔ اور نہایت لائق اور نامور شخص تھا۔ اس نے بہت کتابیں تصنیف کی تھیں ۱۸۶۹ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۶۸۔ قل ڈینگ ۱۸۷۸ء میں پیدا ہوا۔ بٹن میں اس کی تعلیم ہوئی اوس کے بعد اوس نے لندن جا کر قانون سیکھنا شروع کیا۔ ۲۰ سال کی عمر میں اوس کو اپنے والد سے کچھ مدد نہ ملنے کی وجہ سے کالج سے علیحدگی اختیار کرنی پڑی۔ اس کے بعد کالج چھوڑ کر ۹ سال وہ لندن میں رہا۔ اس عرصے میں اوس نے ۸ ناول تصنیف کیے ۳۶ سال کی عمر میں اوس نے شادی کی اور بیوی سے جو کچھ اوس کو دولت ثروت حاصل ہوئی تھی اوس کو چند ہی روز میں صرف کر کے پھر مفلس بن گیا۔ در دشکم کے عارضے میں ۱۸۷۷ء کو ملک اسپین میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۶۹۔ جویس حضرت مسیح سے ۶۵ سال قبل ملک اطالیہ میں پیدا ہوا۔ اس کا باپ ایک نیلام والے کے وہاں نوکر تھا۔ جویس کے باپ نے اس کو بغرض تعلیم شہر روما کو بھیج دیا تھا۔ وہاں اوس نے یونانی اور لاطینی زبان حاصل کی۔ اس کے بعد وہ سائنس اور فلسفہ سیکھنے کی غرض سے ایتھنز کو گیا۔ اوس نے بہت سی کتابیں

تصنیف کین حضرت مسیح سے ۸ سال قبل اسکا انتقال ہوا۔

نمبر ۷۰۔ وال لول ۱۸۰۶ء میں پیدا ہوا۔ آئین کے ٹرے نئی کالج میں اسکی تعلیم ہوئی  
۱۸۲۶ء میں کیمبرج کی یونیورسٹی ذرا پی طرف سے مختار انتخاب کیا۔ اب یہ پارلیمنٹ کا ممبر  
ہے۔ اسکی لیاقت مشہور ہے۔

نمبر ۷۱۔ سمبول جالس بمقام لمیفیلڈ ضلع اسٹافورڈ شائر ۱۸ ستمبر ۱۸۰۹ء کو تولد ہوا۔  
یہ ایک بڑا ذکاوتی شخص تھا۔ اکسفورڈ یونیورسٹی میں اوس نے تعلیم پائی۔ اور ۱۸۵۵ء میں  
اوس نے ایک انگریزی ڈکشنری تیار کر کے چھپوائی۔ ۵۷ سال کی عمر میں اوس نے  
۱۳ دسمبر ۱۸۶۴ء کو انتقال کیا۔

نمبر ۷۲۔ آئیڈور ڈوگن ۱۸۳۲ء کو انگلستان میں تولد ہوا۔ او تیس سال کی کوشش  
میں اوس نے سلطنت روم کے عروج و زوال کی تاریخ لکھی۔ اور ۱۸۶۴ء میں اوس نے  
انتقال کیا۔

نمبر ۷۳۔ فولکر ۱۸۰۸ء میں پیدا ہوا۔ یہ بہت بڑا مورخ تھا۔ اس نے بہت سی کتابیں  
تصنیف کی ہیں۔ ۱۸۶۶ء میں اس کا انتقال ہو گیا۔

نمبر ۷۴۔ جین جی ۱۸۳۷ء میں پیدا ہوئی۔ یہ ایک شاہی خاندان کی لڑکی تھی۔ اس کا پرائیٹ  
طریقہ تھا۔ لارڈ گیل مورڈ سے اسکی شادی ہوئی تھی۔ ان دونوں نے مل کر ۹ دن تک  
حکمرانی کی۔ بعدہ ۱۸۵۴ء میں ان دونوں کو لوگوں نے مار ڈالا۔ اوس وقت جین گری کی  
عمر ۷۱ سال کی تھی۔

نمبر ۷۵۔ لارڈ ڈربی ۱۸۲۶ء کو نو سلی میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم کیمبرج کے ہنری کالج میں ہوئی۔ یہ سکری آف اسٹیٹ کے عہدے پر بھی رہا ہے۔ یہ حال کا پولٹیش اور لائق مقرر ہے۔

نمبر ۷۷۔ سیل بورن ۱۸۱۲ء کو میکس بری میں پیدا ہوا۔ ۱۸۳۳ء میں اوس نے ایم اے کی ڈگری حاصل کر کے بیرسٹری کی سند بھی حاصل کی۔ یہ ایک لائق مصنف اور انگلنڈ کا بڑا پولٹیش تھا۔

نمبر ۷۹۔ بیروم ۱۸۲۲ء کو کنڈامین پیدا ہوا۔ اس نے نیوز لینڈ اور انگلنڈ وغیرہ میں سیاحت کی۔ ٹائمز اخبار کا نامہ نگار بھی رہا ہے۔ کارن ہل اور کیمپٹن ان دونوں سالوں میں اس کے بہت سے مضامین شائع ہوئے ہیں۔ ۱۸۳۳ء میں آسٹریا کا گورنر مقرر ہوا۔

نمبر ۸۰۔ پکتان کوک ۱۸۲۵ء کو مارٹن شہر میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ کسان تھا۔ اس نے چند دن کوٹے کی کمپنی میں کام کیا۔ وہاں اسکو بہت سادنیوی تجربہ حاصل ہوا۔ اس نے بہت بڑا بحری سفر کیا تھا۔ اور بحر الکاہل میں خشکی کا پتہ لگایا تھا۔ ساندویچ جزیرہ کے لوگوں نے ۱۸۴۹ء میں اس کو قتل کیا۔

نمبر ۸۱۔ گنگسلی ۱۸۱۹ء میں تولد اور ۱۸۷۵ء میں فوت ہوا۔

نمبر ۸۲۔ ہبولٹ ۱۸۶۹ء میں تولد ہوا۔ اس کا باپ پریشیا کے علاقے میں ایک بڑا فوجی شخص تھا۔ ہبولٹ اور اوس کے بہائی نے اسی کم ہنج سے جو تمام جرمن میں مشہور معروف لائق شخص تھا تعلیم پائی تھی۔ ہبولٹ نے ۱۸۹۲ء میں

ایک سرکاری مدرسے میں ملازمت حاصل کی تھوڑے روز کے بعد اوس نے ملازمت ترک کر دی اور کل جایدا فرخت کر کے ۱۵۵۵ء جون ۱۹ء کو بونگ بلانڈ کے ہمراہ دنیا کی سیر کے لیے روانہ ہوا۔ اور کل دنیا کی سیر کر کے ۱۸۲۶ء کو پارس داخل ہوا اسکا سفر نامہ ۲۹ جلدوں میں طبع ہوا۔ اس کے کل سفر کے اخراجات کا اندازہ شروع سے آخر تک ۵۴۵ ہزار پونڈ کیا جاتا ہے۔ پریشیا کے بادشاہ نے ہمبولٹ کو طلب کیا۔ ہمبولٹ ۱۸۲۶ء میں پریشیا میں جا کے رہا۔ تھوڑے دنوں کے بعد بادشاہ کے حکم سے اوس نے سفر کیا اوس وقت اسکی عمر ۶۰ سال کی تھی۔ اسکا دوسرا سفر ۱۸۲۷ء میں پارس میں طبع ہوا۔ اس نے اپنی تمام عمر حالت مجرد میں گذرانی۔ ۱۸۵۹ء کو ہمبولٹ نے اس دنیا سے کوچ کیا اور قصبہ نکل میں اپنے خاندانی قبرستان میں دفن ہوا۔

نمبر ۸۳ - شہنشاہ ۱۸۲۶ء کو سلون میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ وہان کالج تھا۔ اس کی تعلیم پارس اور لندن میں ہوئی۔ اس نے بارسٹری کی تعلیم پاپ کے بڑے بڑے مقدمات میں کامیابی حاصل کی ہے۔ ایسٹ بنگ ہم کا پہلا کانسر ویٹو ممبر بھی ہے۔ لارڈ سائس بری کی دوسری وزارت کے زمانے میں یہ ہوم سکرٹری بھی رہا ہے۔ مذہب اس کا رومن کیتھولک ہے۔

نمبر ۸۴ - کالیداس قوم کا بہمن تھا۔ اس کے زمانے کو ۱۳۰۰ سال کا عرصہ گزرا ہوگا۔ کالیداس سنسکرت کا بہت بڑا عالم تھا۔ اس نے شکنتلا اور میگ دوت وغیرہ

چند ناولک تصنیف کیے ہیں جو بہت مشہور ہیں۔ اس کو زبان سنسکرت کا شیکسپیر کہتے ہیں۔

نمبر ۸۶۔ ۱۸۰۹ء کو گیمبرج میں پیدا ہوا۔ اس نے ہر دور کا کالج میں تعلیم پائی چند روز قانون سیکھنے کے بعد پیرس پہنچا اور وہاں ڈاکٹری کا فن حاصل کیا۔ ڈاروٹ کالج میں اٹانوجی کا پروفیسر مقرر ہوا۔ اس کے مضامین بہت سی جلدوں میں ختم ہوئے ہیں۔

نمبر ۸۸۔ فیتا غورٹ، ۵ سال قبل از مسیح پیدا ہوا۔ مسیح کے زمانے کا یہ بہت بڑا لائق شخص شمار ہوتا ہے۔

نمبر ۸۹۔ پلٹارک ایک مشہور یونانی فلاسفر اور مورخ ہے اس نے ۳۲۷ء میں بڑی عمر پر انتقال کیا۔ اسکی تصنیفات میں روم اور یونان کے مشاہیر کی سوانح عمری زیادہ مشہور ہے۔

نمبر ۹۰۔ پاسکل ۱۶۳۳ء میں پیدا ہوا۔ اس کے خاندان میں فریج گوئمنٹ کی طرف سے بہت سے عمدہ فن کے کام رہے۔ اس کا باپ علم حساب میں مہارت تامہ رکھتا تھا اس نے علم حساب کی تعلیم پاسکل کو خود ہی دی تھی۔ پاسکل نے تعلیم کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۶۶۲ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۹۱۔ انگس گوراس کلیا جو میں پیدا ہوا۔ اور اپنے زمانے میں فلاسفر مشہور ہوا اور ۷۷ سال کی عمر میں انتقال کیا۔

نمبر ۹۴ شیکسپیر ۲۶ اپریل ۱۹۵۴ء کو مقام سیٹر فیورڈ میں تولد ہوا۔ اس کو والد کو وہاں کو عام لوگ وقت کی نگہ سے دیکھتے تھے وہ دستا نے بنا کر اوقات بسر کیا کرتا تھا شیکسپیر کی تعلیم سیٹر فیورڈ کے گر ائر سکول میں ہوئی۔ شامی نامی لڑکی سے شیکسپیر کی ۱۹ سال کی عمر میں نومبر ۱۹۵۲ء میں شادی ہوئی شیکسپیر مشہور ڈراما نویس تھا اس نے اپنا پہلا ڈراما ۱۹۵۳ء میں لکھا۔ شیکسپیر بہت دنوں تک لندن میں جا کے رہا بعدہ ۱۹۵۲ء میں اپنے وطن کو واپس آیا۔ وطن میں اس کو واپس آکر ابھی تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اوس نے ۲۳ اپریل ۱۹۵۶ء کو انتقال کیا۔

نمبر ۹۵۔ منو کا زمانہ ایک ہزار سال قبل از مسیح ہے۔ ہندوؤں کے کل قوانین اپنی بنائے ہیں۔ ہندوؤں کے مذہبی مقدمات کا فیصلہ اسی کے قانون سے ہوتا ہے اسکی تصنیف کی ہوئی منو سمرتی مشہور ہے۔

نمبر ۹۶۔ چٹھہ فلد ۱۶۹۳ء میں پیدا ہوا۔ جارج اول کے زمانے میں وہ ہوس آف کانس کا ممبر منتخب ہوا اور اپنے باپ کے انتقال کر جانے سے ہوس آف لارڈس میں شریک کیا گیا۔ ۱۷۷۳ء میں اوس نے انتقال کیا۔

نمبر ۹۷۔ ہی ٹروڈ ۱۵۷۱ء میں پیدا ہوا۔ ملک سو بریا کا بہت بڑا مورخ تھا ۱۵۸۱ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۹۸۔ لو تھریک چوٹے سے موضع اسلمین واقع سیکسنی میں ۱۱ نومبر ۱۷۸۳ء کو پیدا ہوا۔ اس کا باپ ہر لو تھریکان کنی کا پیشہ کرتا تھا اور اسی پر اوسکی بسر وقات ہوتی تھی۔

لو تھر کو خورد سالی میں اچھی طرح تعلیم ملی تھی۔ اس کو راگ کا بڑا شوق تھا۔ ۲۱ سال کی عمر میں اوس نے فلسفہ میں بی اے کی ڈگری حاصل کر کے ایم۔ اے کی تیاری کی۔ البکسٹرمی ایک شخص اس کا بڑا دوست تھا۔ اوس کے یکا یکت بھلی کے صدمے سے مر جانے سے اوس کے دل میں رہبانیت کا خیال پیدا ہوا اور کچھ دنوں کے بعد وہ پادری ہو گیا۔ اوپر پچیس سال کی عمر میں وہ علم دینیات کا پروفیسر بن گیا۔ پوپ لوگ جو مردے کے لئے کچھ روپیہ لیکے بہشت کی چوٹی دیا کرتے تھے اوس کو عام لوگوں میں اوسنے ثابت کر دیا کہ یہ طریقہ بالکل لغو ہے۔ اس کو رومن کیتھولک لوگوں کے ہاتھوں بہت سی مصیبتیں جیلنی پڑیں۔ ۲۵ء میں اوسنے شادی کی اور اوس کے چار بچے پیدا ہوئے جہاں لو تھر پیدا ہوا تھا اوسی مقام پر اوس نے ۱۸ فروری ۱۸۶۶ء کو انتقال کیا۔

نمبر ۹۹۔ راجہ بہتر ہری دوہڑا رسالہ مشیر اوجہ میں بادشاہت کیا کرتا تھا۔ یہ بکرا جیت کا بڑا بھائی تھا۔ سنسکرت کے صرف و نحو کے متعلق ایک لاکھ اشٹاک اوسکی تصنیف کے مشہور ہیں علاوہ ازیں اکثر کتابیں اوس نے اخلاق عشق اور فصاحت کے متعلق لکھی ہیں۔

نمبر ۱۰۰۔ جان ملٹن ۹ دسمبر ۱۶۰۸ء کو لندن شہر میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم سٹ پال مدرسہ میں ہوئی تھی۔ پندرہ سال کی عمر میں اوس نے تکمیل درس کر کے نظم میں ایک کتاب تصنیف کی تھی۔ ۱۶ سال کی عمر میں وہ کیمبرج یونیورسٹی میں

داخل ہوا۔ اور ۲۴ سال کی عمر میں اوس نے ایم۔ اے کی ڈگری حاصل کی۔ اس کو راگ کا بھی نہایت درجہ شوق تھا اور یہ بات اوسکی گویا آبائی تھی۔ جان ملٹن ۱۶۳۳ء میں دنیا کی سیر کے لئے ایک ہزار پاؤنڈ ہمراہ لیکر گھر سے چلا۔ اور اٹلی پہنچ کر اوس نے لاطینی زبان حاصل کی۔ اور کل دنیا کی سیر کر کے ۳۱ سال کی عمر میں لندن کو واپس آیا۔ بیس سال تک اوس نے شعر شاعری میں اپنا وقت کاٹا۔ یکے بعد دیگرے اوس نے تین شادیاں کی تھیں۔ ایک مرتبہ اسکی آنکھیں دکھنے آئیں اور بینائی بالکل جاتی رہی۔ نابینا ہونے کی حالت میں ہی وہ شاعرانہ تصنیف سے عاری نہیں ہوا۔ ۱۵ نومبر ۱۶۳۴ء کو شام کی وقت یکا یک انتقال کیا اور سنٹ گیل کے گرجہ گھر میں دفن ہوا۔

نمبر ۱۰۳۔ ۱۰۔ تئیس ۲۳ سال قبل از مسیح پیدا ہوا۔ یہ بہت بڑا نجومی تھا۔ یونانی لوگ اسکی بڑی عزت اور تعظیم کرتے تھے۔

نمبر ۱۰۴۔ ۱۰۔ نارمن لوکر ۱۱۲۳ء میں پیدا ہوا۔ ۱۶۸۴ء میں اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۱۰۵۔ ۱۰۔ پروفیسر ڈال ۱۸۲۳ء میں علاقہ ایس ٹرن میں پیدا ہوا اس کا باپ پولیس کا ایک سپاہی تھا۔ ڈال نے خورد سالی کا زمانہ لموعب میں بسر کیا جب اسکو کچھ ہوش آیا تو وہ تحصیل علم میں مشغول ہوا اور ۱۹ سال کی عمر میں فارغ التحصیل ہو گیا چونکہ وہ غریب خاندان میں سے تھا اس لئے اوس نے ۱۸۳۹ء میں فوج کی پمایش میں ملازمت اختیار کر لی تھی باوجود اس ملازمت کے بھی اوس کے علم کے شوق میں فراہمی کمی نہیں آئی تھی۔ پانچ سال تک اس ملازمت کو انجام دیکر حال اوس فریلو میں

ملازمت کی اوس کے بعد وہ کسی مدرسے کا مدرس مقرر ہوا۔ اور سائنس سیکھنے کی غرض سے وہ بن سین کی خدمت میں حاضر ہوا بن سین کے لکچر زبان جرمنی میں ہوتے تھے۔ لکچر سنٹے سنٹے ٹن ڈال کو جرمنی زبان میں بھی مہارت مائتہ حاصل ہوئی جب وہ جرمن پہونچا تو وہاں اوسکو لکچر کا عمدہ ملا۔ اس خیریت کو اوس نے ۳۱ سال تک انجام دیا اور سائنس میں اوسکو آدمی دستگاہ حاصل ہو گئی تھی۔ صاف و سحر می ہوا کا وہ دل سے شیدا تھا۔ ہر سال ہوا خوری کے لیے وہ کوآیس کو جایا کرتا تھا۔ چونکہ اوسکی صحت خراب رہتی تھی اس لیے ہمیشہ کسی نہ کسی دوا کا وہ استعمال کیا کرتا تھا ایک مرتبہ ایسا ہوا کہ جب اوس نے اپنی عادت کے موافق دوا اپنے کو مانگی تو اوسکی بیوی نے غلطی سے اوسکو کوئی زہریلی دوا ملا کر دیدی جسکی وجہ سے وہ ۵ دسمبر ۱۸۵۳ء کو ۷۱ سال کی عمر میں راہی ملک بقا ہوا۔

نمبر ۱۰۶۔ سی مائٹس ۱۸۲۷ء کو برٹل میں پیدا ہوا۔ اکسفورڈ کالج میں اس کی تعلیم ہوئی۔ ۱۸۶۲ء کو میکاڈاٹل کالج کا فیلو انتخاب کیا گیا۔ اس نے گریک اٹالی وغیرہ زبان میں بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔

نمبر ۱۰۷۔ والیس ۱۸۲۲ء کو مان مون شایر میں پیدا ہوا۔ اسکی گرامر سکول میں تعلیم ہوئی۔ اسکو سیاحی کا بہت شوق تھا۔ اس نے اپنے کاروبار ترک کر کے امریکہ میں ایمرن ندی کے کنارے بود و باش اختیار کی اور بعدہ ملبا میں آکے رہا۔ اس نے ملبا اور امریکہ کے متعلق بہت سی کتابیں لکھی ہیں۔ ۱۸۸۲ء کو ڈاکٹرن یونیورسٹی نے

اس کو لیلِ ایلِ قی کا خطاب عطا کیا۔

نمبر ۱۰۹۔ مکنزی ۱۸۰۹ء میں تولد اور ۱۸۸۸ء میں فوت ہوا۔

نمبر ۱۱۰۔ کوئی۔ انگریزی شاعر ہے یہ ۱۸۱۸ء میں تولد اور ۱۸۶۶ء میں فوت ہوا

نمبر ۱۱۱۔ سنٹ کری سویم ۱۸۳۵ء میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ سیریا میں ردمن لوگوں کا

عمدہ دار تھا۔ سنٹ کری سویم کی خورد سالی میں ہی اس کے والد کا انتقال ہوا

اسکی والدہ نے اس کو تعلیم دلائی۔ عرصے تک اس نے وکالت کی۔ پھر چند روز

کے بعد وکالت کے پیشے کو ترک کر کے جوگی بنا۔ یہ بہت بڑا سفر تھا۔ اس کی

چند تصنیفات مشہور ہیں۔ ۱۸۳۵ء میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کے انتقال کے

تیس سال کے بعد اس کے جنازے کو روم سنٹ پیٹر کے گرجے میں دفنایا گیا۔

نمبر ۱۱۲۔ تھامس بنری بکسلی ۱۸۲۵ء کو بلیک میں پیدا ہوا۔ اسکا باپ بلیک کا

مدرس تھا۔ بکسلی نے ڈاکٹری سیکھی تھی۔ تاہم حیالوجی کی طرف اسکی طبیعت رجوع تھی

اس نے حیالوجی کے بارے میں بہت سی باریکیاں دریافت کی ہیں۔ یہ ڈاروین

کے خیالات کا پیرو تھا۔ ۲۹ جون ۱۸۹۵ء کو اس کا انتقال ہوا۔

نمبر ۱۱۳۔ بابل ۱۸۲۸ء میں پیدا ہوا۔ ایڈنبرا اکادمی میں اس کی تعلیم ہوئی۔ یہ

سائنس بری کا پادری ہے۔ اس کے اکثر لیکچر مشہور ہیں۔

نمبر ۱۱۵۔ اچ ڈیکن فرار ۱۸۳۱ء کو ممبئی میں پیدا ہوا۔ اسکی تعلیم لندن کے کنگ

کالج میں ہوئی۔ اس نے بہت سی کتابیں تصنیف کی ہیں۔ وہ کتابیں متعدد بار

طبع ہو کے دوسری زبانوں میں ترجمہ ہوئی ہیں۔ حال کی ٹیمبرنس سوسائٹی  
میں یہ شریک تھے۔

نمبر ۱۱۶۔ مل سلسلہ کو شہر لندن میں پیدا ہوا۔ اس کے باپ ہی نے اس کو  
تعلیم دی تھی۔ یورپ میں موجودہ زمانے کا بہت بڑا فلاسفر کہلایا جاتا ہے۔

اس نے آزادی کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ یوٹیٹی اور پوٹیکل کانفی وغیرہ  
میں بھی اس کی تصنیفات موجود ہیں اور درس میں شریک ہیں سلسلہ میں اس کا انتقال

نمبر ۱۱۷۔ بی بی نی سلسلہ کو دہرانا میں پیدا ہوا۔ یہ اپنی خورد سالی میں فوج میں شریک  
تھا۔ بعد اوس نے وکالت کا پیشہ اختیار کیا۔ اس لئے اس زمانے کے

عالموں میں اس کا شمار کیا جاتا ہے وہی سولیس کوہ آتش فشان کے صدمے سے  
سلسلہ میں انتقال کر گیا۔ اس نے نچرل ہسٹری، سبیلوں میں لکھی تھی۔

نمبر ۱۱۸۔ جان لاک سلسلہ میں پیدا ہوا۔ یہ بڑے بڑے تجربی کار لوگوں کا  
سرگرم رہا تھا۔ اس نے جو تین کتابیں تصنیف کی ہیں وہ بہت مشہور ہیں۔ سلسلہ

میں اس کا انتقال ہوا۔

